بیع استصناع کے فقہی اصول اور عصری مسائل میں اس کی تطبیق

(شریعتِ اسلامیہ کی روشنی میں تجزیاتی مطالعہ)

مقالہ نگار

عطاء اللہ

فیکلٹی آف سوشل سائنسز

نیشنل یونیورسٹی آف ماڈرن لینگویجز، ایچ نائن، اسلام آباد

جون، ۲۰۲۲ء

بیع استصناع کے فقہی اصول اور عصری مسائل میں اس کی تطبیق

(شریعتِ اسلامیہ کی روشنی میں تجزیاتی مطالعہ)

مقالہ نگار

عطاء اللہ

فیکلٹی آف سوشل سائنسز

نیشنل یونیورسٹی آف ماڈرن لینگویجز، ایچ نائن، اسلام آباد

جون، ۲۰۲۲ء

بیع استصناع کے فقہی اصول اور عصری مسائل میں اس کی تطبیق

(شریعتِ اسلامیہ کی روشنی میں تجزیاتی مطالعہ)

مقالہ نگار

عطاءاللہ

یہ مقالہ ایم فل علوم اسلامیہ کی جزوی تکمیل کے لیے پیش کیا گیا ہے

فیکلٹی آف سوشل سائنسز

نیشنل یونیورسٹی آف ماڈرن لینگویجز، اسلام آباد

©عطاءاللہ ۲۰۲۲ء

بسم الله الرحمن الرحيم

نیشنل یونیورسٹی آف ماڈرن لینگویجز، اسلام آباد فیکلٹی آف سوشل سائنسز

منظوری فارم برائے مقالہ ودفاع مقالہ

زیر دستخطی تصدیق کرتے ہیں کہ انہوں نے مندرجہ ذیل مقالہ پڑھا اور مقالے کے دفاع کو جانچا ہے، وہ مجموعی طور پر امتحانی کارکردگی سے مطمئن ہیں اور فیکلٹی آف سوشل سائنسز کو اس مقالے کی منظوری کی سفارش کرتے ہیں۔

مقالہ بعنوان: **بیع استصناع کے فقہی اصول اور عصری مسائل میں اس کی تطبیق**

(شریعتِ اسلامیہ کی روشنی میں تجزیاتی مطالعہ)

Jurisprudential Principles of Manufacturing Contract and It's Application In Contemporary Issues

(An Analytical Study in The Light of Sharia)

نام ڈگری: ایم فل، علومِ اسلامیہ

نام مقالہ نگار: عطاءاللہ رجسٹریشن نمبر: M.Phil/IS/F-1-1635

ڈاکٹر عافیہ مہدی

(نگران مقالہ) نگران مقالہ کے دستخط

ڈاکٹر نور حیات خان

(صدر، شعبہ علوم اسلامیہ) صدر شعبہ کے دستخط

پروفیسر ڈاکٹر خالد سلطان

(ڈین فیکلٹی آف سوشل سائنسز) ڈین فیکلٹی آف سوشل سائنسز کے دستخط

بر گیڈ ئیر سید نادر علی

(ڈائریکٹر جنرل، نمل) ڈائریکٹر جنرل، نمل کے دستخط

تاریخ

حلف نامہ فارم

Candidate Declaration Form

میں عطاء اللہ ولد شیر غازی

رول نمبر MP-F18-IS-410 رجسٹریشن نمبر M.Phil/IS/F-18-1635

طالب علم ایم فل شعبہ علوم اسلامیہ نیشنل یونیورسٹی آف ماڈرن لینگویجز (نمل) اسلام آباد حلفاً اقرار کرتا ہوں کہ مقالہ بعنوان:

بیع استصناع کے فقہی اصول اور عصری مسائل میں اس کی تطبیق

(شریعتِ اسلامیہ کی روشنی میں تجزیاتی مطالعہ)

Jurisprudential Principles of Manufacturing Contract and It's Application In Contemporary Issues

(An Analytical Study in The Light of Sharia)

ایم فل علوم اسلامیہ کی ڈگری کی جزوی تکمیل کے سلسلے میں پیش کیا گیا ہے۔ اور **ڈاکٹر عافیہ مہدی** کی نگرانی میں تحریر کیا گیا، راقم الحروف کا اصل کام ہے ماسوائے جہاں متن مقالہ میں بیان کیا گیا ہے اور یہ کہ مذکورہ کام نہ تو کہیں اور جمع کروایا گیا ہے نہ ہی پہلے سے شائع شدہ ہے اور نہ ہی مستقبل میں کسی بھی ڈگری کے حصول کیلئے کسی دوسری یونیورسٹی یا ادارے میں میری طرف سے پیش کیا جائے گا۔

نام مقالہ نگار: عطاء اللہ

دستخط مقالہ نگار: ____________________

نیشنل یونیورسٹی آف ماڈرن لینگویجز اسلام آباد

فہرست مضامین بالترتیب

صفحہ نمبر	موضوعات	نمبر شمار
I	منظوری فارم برائے مقالہ ودفاع مقالہ (Thesis Acceptance Form)	.1
II	حلف نامہ(Declaration)	.2
III	فہرست عنوانات(Table of contents)	.3
V	اظہار تشکر وامتنان(ACKNOWLEGMENTS)	.4
VI	انتساب(Dedication)	.5
VII	ملخص مقالہ (Abstract)	.6
VIII	رموز واو قاف(Acronyms)	.7
1	مقدمہ(Preface)	.8
8	**باب اول: بیع استصناع؛ مفہوم اور شرعی حیثیت**	.9
9	فصل اول: بیع کا مفہوم اور صورتیں	.10
19	فصل دوم: بیع استصناع کا مفہوم اور اس کا ثبوت واہمیت	.11
27	فصل سوم: بیع استصناع کی شرعی حیثیت	.12
42	**باب دوم: بیع استصناع کے فقہی اصول واحکام**	.13
43	فصل اول: بیع استصناع، سلم اور اجارہ میں فرق ومماثلت	.14
50	فصل دوم: بیع استصناع کی بنیاد پر بیع کی شرائط	.15
57	فصل سوم: بیع استصناع میں عقد وکالۃ کی حیثیت	.16
68	**باب سوم: عصر حاضر میں بیع استصناع کے تعمیراتی منصوبے اور ان کی شرعی حیثیت**	.17
69	فصل اول: تعمیراتی مالکاری کے منصوبے	.18
93	فصل دوم: جدید بیع استصناع شرعی تعلیمات کی روشنی میں	.19
128	**باب چہارم: عصر حاضر میں بیع استصناع اور سرکاری شعبہ جات کے منصوبے**	.20
129	فصل اول: جدید BOT معاہدات کی صورتیں اور فقہاء کرام کی آراء	.21

.22	فصل دوم: بیع استصناع میں انتظامِ خطرہ کی حقیقت اور فقہاء کی آراء	134
.23	**خلاصہ بحث**	146
.24	**نتائج بحث**	148
.25	**سفارشات**	149
.26	**فہارس**	150
.27	**فہرست آیات قرآنیہ**	151
.28	**فہرست احادیث نبوی**	152
.29	**فہرست مصطلحات**	153
.30	**فہرستِ اعلام**	154
.31	**فہرست مصادر و مراجع**	156

اظہار تشکر

سب سے پہلے اللہ رب العزت کا شکر گزار ہوں کہ جس نے فقہی موضوع بیع استصناع پر تحقیق کرنے کی مجھے طاقت و توفیق دی۔

میں **نیشنل یونیورسٹی آف ماڈرن لینگویجز (نمل)** کے جملہ اساتذہ کا بھی شکر گزار ہوں جنہوں نے میری فکر کا زاویہ بدلا مجھے تحقیقی دنیا سے روشناس کرایا۔ میرے شکریہ کی سب سے زیادہ مستحق میرے مقالے کی **نگران ڈاکٹر عافیہ مہدی صاحبہ** ہیں۔ آپ ایک خوش اخلاق، اور معاون نگران ہونے کے ساتھ ساتھ تجربہ کار اور بہترین محققہ ہیں۔ آپ نے دوران تحقیق میری ہر ممکن مدد کی اور تحقیق کا منہج بھی سمجھایا۔ میری بہت خوش قسمتی ہے کہ مجھے ان جیسی مشفقہ اور معاون نگران کی رہنمائی میسر رہی۔

میں الندوہ لائبریری کے صدر مفتی سعید خان صاحب کا بھی ممنون ہوں کہ انہوں نے کتب کی فراہمی میں حتیٰ الامکان مدد کی اللہ پاک ان کی کاوش کو اپنی بارگاہ میں مقبول فرمائے۔ سینٹرل لائبریری، ڈاکٹر حمید اللہ لائبریری بالخصوص نیشنل یونیورسٹی آف ماڈرن لینگویجز کے سٹاف کا بھی شکر گزار ہوں جنہوں نے میرے ساتھ تعاون کیا۔

اپنے والدین اور بہن بھائیوں کا بے حد شکر گزار ہوں جو ہمہ وقت جانی اور مالی قربانی کے لیے تیار رہے اور ہر مشکل گھڑی میں میرا ساتھ دیا۔

انتساب

حیی قیوم وحدہ لاشریک ذات

اور

محمد ﷺ

کی ذات مقدس کے بعد

ابو جان اور امی جان کے نام جو میرے لئے ایک نمونہ ہیں۔

جن کا عزم مصمم اور ہمت ہمیشہ مجھے توانائی دیتی ہے،

اور بانی **ادارہ علوم اسلامی** اسلام آباد مولانا فیض الرحمان عثمانیؒ

اور ادارہ کے دیگر اساتذہ کے نام

Abstract

This study deals with very important and distinguished contract termed as Bai ul Istisna (Manufacturing Contract). Bai ul Istisna has a great interaction with the contemporary finance, modern trade, and projects. In the modern era, the B.O.T contract (build, operate and transfer) is jurisprudentially adopted as Bai ul Istisna. So, there is a dire need for a comprehensive analytical study of this matter in Shariah perspective in the light of Shariah injunctions and contemporary jurists.

The method of this research is based on analytical study and library research. In this work, reliance has been made primarily on the original sources of Shariah and secondarily, on the contemporary jurists in subject matter.

The research discusses the Shariah injunctions regarding the Istisna sale, this work analyses the exact work also examines the possible and modern aspects of Istisna.The research critically analysis the projects of house financing and construction financing. This work concludes that Bai ul Istisna is permissible and valid contract in the light of Shariah. After complete deliberation of Bai ul Istisna in the perspective of modern application it is concluded that the classical concept of Bai ul Istisna is applicable in BOT contracts and modern financing schemes, projects and the risk management might be adopted in Bai ul Istisna by takaful model which is Waqaf (trust) based. The research also strongly recommends special legislation by Parliament regarding Bai ul Istisna and training for judges to resolve the dispute in these matters.

رموز واوقاف(Acronyms)

اس مقالے میں درج ذیل رموز اوقاف کو استعمال کیا گیا ہے۔

1.	﴿ ﴾	قرآنی آیات کی نشاندہی کے لئے۔
2.	(( ))	احادیث کے لئے۔
3.	”—“	اقتباسات کے لئے۔
4.	ص:	صفحہ نمبر کے لئے۔
5.	:	قرآن مجید کی آیت اور سورۃ نمبر کے درمیان۔
6.	ھ	ہجری کے لئے۔
7.	ء	سن عیسوی کے لئے۔

مقدمہ

موضوعِ تحقیق کا تعارف

ألحمدلله رب العالمين والعاقبة للمتقين والصلاة والسلام على سيد الأنبياء والمرسلين وعلى آله وأصحابه أجمعين وعلى كل من تبعهم بإحسان إلى يوم الدين.

أمابعد!

دین اسلام صرف عبادات تک محدود نہیں بلکہ معاملات زندگی سے لے کر اخلاقیات تک اس کا دائرہ وسیع ہے۔

چنانچہ ارشاد باری تعالیٰ ہے۔

﴿یٰٓاَیُّھا الَّذِیْنَ اٰمَنُوااْدْخُلُوْا فِی السِّلْمِ کَآفَّۃً﴾[1]

ترجمہ: اے ایمان والو! اسلام میں پورے کے پورے داخل ہو جاؤ۔

انسان کے معاملات زندگی میں ہر معاملہ اہمیت کا حامل ہے چاہے اس کا تعلق اس کی ذاتی معاشرتی یا معاشی زندگی سے ہو۔ اسی طرح مالی معاملات میں ایک اہم صورت "بیع استصناع" کی بھی ہے۔ استصناع بیع کی وہ صورت ہے جس سے متعلق اگرچہ نصوص میں بھی اشارات ملتے ہیں، لیکن اس کی اصل بنیاد عرف وعادت اور تعامل الناس ہے۔ اس بیع کا امتیازی پہلو یہ ہے کہ سلم کی طرح یہ بھی بیع معدوم کی ممانعت سے مستثنیٰ ہے نیز اس میں عوضین (مبیع اور ثمن[2]) کو اُدھار رکھا جاسکتا ہے، اس لئے معاملات میں اس معاملے کو خصوصی اہمیت حاصل ہے۔

چنانچہ اسلامی بینکنگ میں جن عقود کے ذریعے سرمایہ کاری کی جاتی ہے ان میں ایک "عقد استصناع" بھی ہے۔ درحقیقت یہ سرمایہ کاری کا ایک محفوظ ذریعہ ہے جو ترقیاتی کاموں کو سرانجام دینے میں نہایت اہم کردار ادا کرتا ہے اس لئے اس کی ضرورت تھی کہ اس موضوع کے متعلق قدیم اور جدید مسائل کو یکجا کیا جائے۔

استصناع کا عام فہم معنیٰ یہ ہے کہ آرڈر کے ذریعے کسی سے کوئی چیز بنوانا۔ اس میں کوئی شک نہیں کہ انسان کے پاس نہ اتنی فرصت ہے نہ استطاعت کہ وہ اپنی ضرورت کی ہر چیز خود بنانے بیٹھ جائے بلکہ انسان کو جس چیز کی ضرورت ہوتی ہے وہ اس کے

---

[1] البقرة:208

[2] متعاقدین کی طرف سے مبیع کی طے کردہ قیمت کو کہتے ہیں۔

حصول کیلئے کسی ایسے شخص کے پاس جاتا ہے جو اسکو اچھی طرح بنا سکتا ہو یہ شخص اس کے سامنے اپنی مطلوبہ چیز کے اوصاف وغیرہ بیان کر کے اس کو ایسی ہی چیز بنانے کا آرڈر دیتا ہے اس کو فقہ کی زبان میں استصناع کہا جاتا ہے۔

موضوع کی ضرورت اور اہمیت

عصر حاضر میں ہر عام و خاص کو مالی معاملات سے واسطہ پڑتا ہے جس کی ایک صورت بیع استصناع ہے۔ بیع استصناع کا عام ہونا ہماری بنیادی ضرورت بن چکا ہے لہٰذا اس بیع کی تمام فقہی اصولوں سے مسلمانوں کا آگاہ ہونا وقت کی اہم ضرورت ہے انسانی زندگی کے دیگر شعبوں سے اگرچہ انکار نہیں کیا جا سکتا تاہم موجودہ دور میں معاشیات نے انسانی زندگی میں جو اہمیت اختیار کی ہے اس سے انکار ممکن نہیں ہے۔ اسلام میں تجارت اور معاملات کے بہت سارے شعبے ہیں مثلا بیع صرف، سلم اور مشارکہ و مضاربہ وغیرہ ان ہی عقود میں سے ایک اہم عقد "استصناع" بھی ہے۔ ماضی میں چونکہ استصناع کے ذریعہ سامان بنوانے کا رواج کم تھا اور اس کا دائرہ محدود تھا، اس لئے فقہاء کرام نے اس بیع کے تحت معمولی اشیاء کو ذکر کیا ہے، مثلاً تیر، تلوار، چھری، وغیرہ لیکن ساتھ ہی فقہاء کرام کی عبارات میں اس کی صراحت ملتی ہے کہ ان تمام چیزوں میں استصناع جائز اور درست ہو گا، جن میں تعامل ہو خواہ وہ چیزیں معمولی ہوں، یا غیر معمولی، موجودہ دور میں آرڈر پر تیار کی جانے والی اشیاء کا دائرہ بہت وسیع ہو چکا ہے، جیسے ہوائی جہازوں، کشتیوں، گاڑیوں اور ریلوے کی صنعت وغیرہ، نیز عصر حاضر میں جس طرح زندگی کے دیگر میدانوں میں انقلابی تبدیلیاں رونما ہو رہی ہیں اسی طرح تجارت اور باہمی لین دین کے طریقوں میں بھی بہت زیادہ پیچیدگیاں پیدا ہو چکی ہیں جن کا ماضی میں عملی وجود نہیں تھا لیکن اب عملی حقیقت بن کر سامنے آچکی ہے۔ مثلاً بینکاری میں رائج فنانس کے طریقوں کا یہ نظام قدیم فقہاء کرام اور محدثین کرام کے زمانے میں بالکل نہیں تھا، بلکہ سولہویں صدی کے آخر میں اس کا آغاز ہوا اور آج یہ اپنی جدید شکل میں موجود ہے۔

موضوع کی تحدید

مقالہ ہٰذا میں بیع استصناع کے متعلق تجزیاتی مطالعہ پیش کیا گیا ہے نیز بیع استصناع کی جدید صورتوں کی وضاحت کرتے ہوئے اس کے فقہی اصولوں کو عصری تناظر میں فقہاء کرام کی آراء کی روشنی میں اس کی وضاحت بیان کی گئی ہے پاکستانی بینکوں میں سے میزان بینک لمیٹڈ میں استصناع کے ذریعے طے پانے والے معاہدوں کی صورتوں کو بیان کیا گیا ہے۔

مقاصد تحقیق

1. بیع استصناع کے احکام شرعی کی تحقیق کرنا۔
2. عقد استصناع کے متعلق فقہاء کرام کی آراء کو تلاش کرنا۔
3. بیع استصناع کی مروجہ صورتوں کو جدید تناظر میں تعمیراتی مالکاری کے منصوبے اور بیع استصناع کی حقیقت کو تلاش کرنا۔

4. بیع استصناع اور جدید بی او ٹی[1] (B.O.T) معاہدات کے ضمن میں انتظام خطرہ کی وضاحت کرنا۔

بنیادی سوالات

1. بیع استصناع کے شرعی احکام کیا ہیں؟
2. بیع استصناع سے متعلق کن فقہی اصولوں کی وضاحت کتب فقہ میں موجود ہیں؟
3. بیع استصناع کی ممکنہ اور جدید صورتیں کون کون سی ہیں؟
4. جدید تناظر میں بیع استصناع میں انتظام خطرہ کی کیا حیثیت ہے؟

موضوع پر سابقہ کام کی تحقیق

عربی مقالہ جات:

1. احمد بلخیر، **عقد الاستصناع و تطبیقاتہ المعاصرہ** (دراسۃ حالۃ البنک الاسلامی للتنمیہ) جامعہ الحاج، لخضر-باتنۃ، کلیۃ العلوم الاجتماعیۃ والعلوم الاسلامیۃ، قسم الشریعۃ، فرع الاقتصاد الاسلامی، 2007-2008)
2. سعید، محمد رأفت، **عقد الاستصناع وعلاقتہ بالعقود الجائزۃ** لامت سعید (دار الوفاء للطباعۃ والنشر، الطبعۃ الاولیٰ، 2002)
3. بکرو، کمال الدین جمعۃ، **عقد الاستصناع وصورۃ المعاصرہ** (دار الکتب العلمیۃ، الطبعۃ الاولیٰ، 2017)

English Thesis/Books

1. Muhammad Al-Bashir Muhammad Al Amin, **Istisna (manufacturing Contract) In Islamic Banking and Finance**. Kula Lumpur: AS.Noordeen 1421-2001
2. Dr.Muhammad Imran Asraf Usmani,**Meezan banks Guid to Islamic Banking** (Karachi,Darul-Ishaat,First Edition,2002)

In the above book the different kind s of manufacturing contract based on Islamic banking only is discussed but it is not enough.

3. Mufti, Muhammad Taqi**, An Introduction to Islamic finance** (Idara Isha'at-e-Diniyat (P) Ltd.

[1] BOT بناؤ، چلاؤ اور منتقل کرو، بیع استصناع کی ایک جدید صورت ہے جس کی مکمل تفصیل باب چہارم، فصل اول میں ملاحظہ فرمائیں۔

In the above book just mdern contracts of banks are discussed.

اُردو تصانیف

1. ڈاکٹر، صمدانی، اعجاز احمد، **مالی معاملات پر غرر کے اثرات** (کراچی: ادارۃ المعارف، اشاعت دوم، 2007ء)

   اس مقالے میں مالی معاملات پر عمومی طور پر بحث کی گئی ہے۔

2. مفتی، ریاض محمد، **مسائل تجارت** (راولپنڈی، مکتبہ عثمانیہ، اشاعتِ اول، 2017ء)

   مذکورہ مقالے میں بیوعات کے ضمن میں بیع استصناع پر جزوی بحث کی گئی ہے۔

3. ڈاکٹر، زبیر اشرف، **جدید معاشی نظام میں اسلامی قانون اجارہ** (کراچی: ادارۃ المعارف، اشاعت اول، 2010ء)

   مذکورہ مقالے میں اجارہ کے احکامات اور قانون سے بحث کی گئی ہے۔

4. علماء کی جماعت، **عقد استصناع سے متعلق بعض مسائل (نئی دہلی، ایفا پبلیکیشنز، 2014، اشاعتِ اول)**

   مذکورہ بالا مقالے میں عقد استصناع سے متعلق بعض مسائل کا زکر کیا گیا ہے۔

5. مفتی، محمد تقی، **اسلام اور جدید معاشی مسائل**، (کراچی: ادارۃ المعارف، اشاعت سوم، 2012)

   اس کتاب میں جدید معاشی مسائل کے ضمن میں بیع استصناع کا ذکر کیا گیا ہے۔

مقالہ جات

1. **پاکستان میں مروج اسلامی بینکاری: اعتراضات کا تجزیاتی مطالعہ**، مقالہ نگار: زاہدہ پروین، نگرانِ مقالہ: ڈاکٹر سید علی انور، شعبہ علومِ اسلامیہ، بہاوالدین زکریا یونیورسٹی ملتان، صوبہ پنجاب پاکستان، سن تکمیل 2012

   مذکورہ مقالے میں اسلامی بینکاری پر ہونے والے اعتراضات کا تجزیہ کیا گیا ہے۔

2. **جدید مالی معاملات میں قبضہ کا شرعی تصور** (تحقیقی جائزہ) مقالہ نگار محمد معاذ، نگران مقالہ ڈاکٹر محمد اعجاز؛ ادارہ علوم اسلامیہ پنجاب یونیورسٹی سن تکمیل 2014ء

   مذکورہ مقالے میں جدید مالی معاملات سے بحث کی گئی ہے اس کا پہلو جدید بیوع میں قبضے کا تصور ہے۔

3. **جدید معاشی نظام میں اسلامی قانون اجارہ کے کردار کا تحقیقی مطالعہ**، مقالہ نگار محمد زبیر عثمانی، نگران کار، ڈاکٹر فضل اکرم، کلیہ معارف اسلامیہ، فیکلٹی آف اسلامک لرننگ، کراچی یونیورسٹی سن تکمیل 2007۔

   مذکورہ بالا مقالے میں قانون اجارہ کو بیان کیا گیا ہے۔

سابقہ کام کا جائزہ

بیع استصناع پر متعدد عربی مقالے لکھے گئے ہیں اور عربی کتب میں جزوی بحث کی گئی ہے اس طرح اردو کتب اور انگریزی کتب میں بھی بیع استصناع کے عناوین کو اختیار کیا گیا ہے۔ دراصل سابقہ کام منتشر ہے بعض کتب میں صرف بیع استصناع کی حقیقت کو بیان کیا گیا ہے بعض میں بیع استصناع کی جدید صورتوں کو ذکر کیا گیا ہے بعض کتب میں بیع استصناع کی ان صورتوں کو ذکر کیا ہے جو بینکوں میں رائج ہیں۔ اس مقالے میں بیع استصناع کا مکمل احاطہ کیا گیا ہے کہ بیع استصناع کی حقیقت کیا ہے اس کا قدیم تصور کو واضح کر کے فقہا کے اختلافات کو بیان کیا گیا ہے مزید بر آں بیع استصناع، سلم اور اجارہ میں بنیادی فرق کو بیان کیا گیا ہے۔ جدید تناظر میں بیع استصناع کی صورتیں اور اس میں انتظام خطرہ کو بیان کیا گیا ہے۔ اس طرح ملک پاکستان میں اسلامی بینکوں مثلا میزان بینک میں طے پانے والے معاہدات میں سے بیع استصناع کی صورتوں کو بطور مثال پیش کیا گیا ہے تاکہ قارئین اس کی حقیقت تک رسائی حاصل کر سکیں۔ پس سابقہ کام جزوی بحوث پر مشتمل تھا اور اس مقالے میں بیع استصناع کی تمام جزئیات، جدید صورتیں، ممکنہ صورتیں اور فقہاء کی آراء پر سیر حاصل بحث کی گئی ہے۔

اسلوب تحقیق

مقالہ ہٰذا کی تیاری میں جو اسلوب پیش نظر رکھا گیا ہے اس کی تفصیل درج ذیل ہے۔

1. مقالے کا اسلوب تجزیاتی ہے۔
2. بنیادی مصادر سے استفادہ کی حتیٰ الامکان کوشش کی گئی ہے۔
3. مقالے میں تشریعی توضیح کیلئے فقہاء کرام کی کتب (درالمختار، الھدایۃ فی شرح بدایۃ المبتدی، البحر الرائق شرح کنز الدقائق، بدائع الصنائع، الموافقات للشاطبی، فقہ البیوع و دیگر کتب) سے استفادہ کیا گیا ہے۔
4. عصری مسائل کیلئے انٹرنیٹ اور مکتبہ شاملہ سے مدد لی گئی ہے۔
5. مقالے کی ترتیب کیلئے یونیورسٹی فارمیٹ اختیار کیا گیا ہے۔
6. اصطلاحات کی وضاحت کیلئے لغت کی کتابوں کے ساتھ ساتھ فقہا کرام کی آرا کو بھی بیان کیا گیا ہے۔

خاکہ تحقیق

مقالہ ہذا مقدمہ، چار ابواب، نتائج، سفارشات اور فہارسِ مقالہ پر مشتمل ہے۔

ابواب وفصول کی تقسیم وترتیب

بیع استصناع کے فقہی اصول اور عصری مسائل میں اس کی تطبیق

(شریعت اسلامیہ کی روشنی میں تجزیاتی مطالعہ)

باب اول بیع استصناع: مفہوم اور شرعی حیثیت

فصل اول بیع کا مفہوم اور صورتیں

فصل دوم بیع استصناع کا مفہوم اور اس کا ثبوت واہمیت

فصل سوم بیع استصناع کی شرعی حیثیت

باب دوم بیع استصناع کے فقہی اصول واحکام

فصل اول بیع استصناع، سلم اور اجارہ میں فرق ومماثلت

فصل دوم بیع استصناع کی بنیاد پر بیع کی شرائط

فصل سوم بیع استصناع میں عقد وکالۃ کی حیثیت

باب سوم عصر حاضر میں بیع استصناع کے تعمیراتی منصوبے اور ان کی شرعی حیثیت

فصل اول: تعمیراتی مالکاری کے منصوبے

فصل دوم: جدید بیع استصناع شرعی تعلیمات کی روشنی میں

باب چہارم عصر حاضر میں بیع استصناع اور سرکاری شعبہ جات کے منصوبے

فصل اول جدید BOT معاہدات کی صورتیں اور فقہاء کرام کی آراء

فصل دوم عصری مسائل میں بیع استصناع میں انتظامِ خطرہ کی فقہاء کی آراء

دُعائیہ کلمات

تمام تعریفیں ربِ دو عالم کے لئے اور درود و سلام اس کے آخری پیغمبر حضرت **محمد** عربی ﷺ پر جنہوں نے اس دنیامیں آکر علم کی شمع کو روشن کیا۔ اللہ تعالی نے بندہ ناچیز کو فقہی موضوع **(بیع استصناع کے فقہی اصول اور عصری مسائل میں اس کی تطبیق)** پر مقالہ لکھنے کی توفیق دی اللہ کے حضور دُعا گو ہوں کہ اس کاوش کو میرے لئے، میرے والدین، اساتذہ، دوست احباب اور معاونین کیلئے نجات کا ذریعہ بنائے اور مزید علمی میدان میں کام کرنے کی توفیق عطاء فرمائے۔

آمین

عطاء اللہ

مقالہ نگار ایم فل، علوم اسلامیہ

نیشنل یونیورسٹی آف ماڈرن لینگویجز،

اسلام آباد

باب اول

بیع استصناع: مفہوم اور شرعی حیثیت

فصل اول: بیع کا مفہوم اور صورتیں

فصل دوم: بیع استصناع کا مفہوم اور اس کا ثبوت و اہمیت

فصل سوم: بیع استصناع کی شرعی حیثیت

فصل اول

بیع کا مفہوم اور صورتیں

"بیع "خرید و فروخت کو کہتے ہیں۔ 'بیع' ایک شرعی عقد ہے جس کے پابند دونوں فریق ہوتے ہیں۔ 'بائع' اس بات کا پابند ہوتا ہے کہ وہ شے کی ملکیت یا کسی مالی حق کو 'مشتری' کی طرف منتقل کر دے اور 'مشتری' اس بات کا پابند ہوتا ہے کہ وہ 'بائع' کو ثمن کی ملکیت دے۔ 'بیع' کے تین ارکان ہیں یعنی 'صیغہ' (ایجاب وقبول)، 'فریقین عقد' اور 'معقود علیہ'۔ اور اس کی سات شرائط ہیں: 1- بائع اور مشتری کی رضامندی۔ 2- عقد کرنے والا ایسا ہو جس کا تصرف کرنا جائز ہو یعنی ان میں سے ہر ایک آزاد، مکلف اور سمجھدار ہو۔ 3- مبیع (فروخت کردہ چیز) ایسی ہو جس سے نفع اٹھانا مطلقاً مباح ہو۔ 4- مبیع، بائع کی ملکیت ہو یا پھر عقد کے وقت اسے اس کی بیع کرنے کی اجازت ہو۔ 5- مبیع، بائع اور مشتری دونوں کو معلوم ہو یا تو اسے دیکھ کر یا پھر اس کے اوصاف جان کر۔ 6- ثمن معلوم ہو۔ 7- مبیع ایسی چیز ہو جسے سپرد کرنے پر قدرت حاصل ہو۔

"بیع" کی لغوی تحقیق

علامہ الفیومی اپنی کتاب المصباح المنیر میں ب، ی، ع کے مادہ میں لکھتے ہیں کہ " بَاعَهُ:"يَبِيعُهُ" "بَيْعًا" و"مَبِيعًا" فهو "بَائِعٌ و فی روایة ابن القطاع اباعه"[1] بیع کا لفظ شراء کی طرح اضداد میں سے ہے چنانچہ ابتاع اور اشتراء کی طرح باع اور شرٰی بھی ہم معنٰی ہیں اور ایک دوسری کی جگہ استعمال ہوتے ہیں۔ لسان العرب میں بیع کے بارے میں مذکور ہے:

"البيعُ ضدّ الشراء والبَيْع الشراء أَيضاً وهو من الأَضْداد--"[2]

ترجمہ: بیع شراء کے مقابل ہے اور شراء کیلئے بھی استعمال کیا جاتا ہے اور یہ اضداد میں سے ہے یعنی اس کے دو معانی ہیں خریدنا اور بیچنا۔

ارشاد باری تعالٰی ہے:

[1] الفیومي، أحمد بن محمد، **المصباح المنیر** (بیروت: المكتبة العصرية، الطبعة الرابعه، 1999)، ص:40

[2] ابن منظور، محمد بن مکرم، **لسان العرب**، (بیروت: دار صادر، الطبعة الاولٰی 1435) 7/277

﴿وَشَرَوْهُ بِثَمَنٍ بَخْسٍ دَرَاهِمَ مَعْدُودَةٍ وَكَانُوا فِيهِ مِنَ الزَّاهِدِينَ﴾ [1]

ترجمہ:

" اور انہوں نے اسے (5) دراہم (بہت ہی ہلکی قیمت) پر بیچ ڈالا، وہ تو یوسف کے بارے میں بہت ہی بے رغبت تھے "

انھوں نے اسے بیچ ڈالا یہاں شروہ سے مراد باعوہ ہے۔[2]

ایک اور جگہ فرمایا:

﴿فَلْيُقَاتِلْ فِي سَبِيلِ اللَّهِ الَّذِينَ يَشْرُونَ الْحَيَاةَ الدُّنْيَا بِالْآخِرَةِ﴾[3]

ترجمہ:

پھر چاہیے کہ اللہ کی راہ میں وہ لوگ لڑیں جو دنیا کی زندگی کو آخرت کے بدلے بیچتے ہیں، اور جو کوئی اللہ کی راہ میں لڑے پھر مارا جائے یا غالب رہے تو اسے ہم بڑا ثواب دیں گے۔

عاقدین میں سے ہر ایک کو بائع کہا جاسکتا ہے تاہم بائع کے لفظ سے ذہن فروخت کنندہ کی طرف جلد منتقل ہوتا ہے۔ بیع کا اطلاق مبیع یعنی سامان پر بھی ہوتا ہے بیع جید یعنی عمدہ سامان برائے فروخت، بیع کی جمع بیوع ہے۔

"(باعه) الشيء وباعه منه وله بيعا ومبيعا أعطاه إياه بثمن ويقال باع عليه القاضي ضيعته باعها على غير رضاه وباع على بيع أخيه تدخل بين المتبايعين لإفساد العقد ليشتري هو أو يبيع واشتراه فهو بائع (ج) باعة وهو بياع (أباعه) عرضه للبيع(بايعه) مبايعة وبياعا عقد معه البيع (ابتاعه) اشتراه وله الشيء ناب عنه في شرائه[4]

ترجمہ: اس نے چیز بیچ دی یا اس سے چیز خرید لی یا اس کے لئے بیع یا مبیع ہے یعنی قیمت پر اسے چیز دے دیا اور کہا جاتا ہے کہ قاضی نے اس کی مرضی کے بغیر اسے مال بیچا اور اپنے بھائی کی بیع پر بیع کی یعنی متعاقدین کے درمیان مداخلت کر کے ان کا عقد خراب کیا تاکہ وہ خود خریدے یا بیچے یا اس نے بیچا پس وہ بائع ہے باعة

[1] یوسف:20

[2] طبری، محمد بن جریر، **تفسیر طبری**، (بیروت: دار الکتب العلمیۃ، 2004، الطبعۃ الثالثۃ)، ص237

[3] النساء:74

[4] ابراهیم مصطفی، أحمد الزیات، حامد عبد القادر، محمد النجار، **المعجم الوسیط**، (القاہرہ: دار الدعوۃ، 1433، الطبعۃ الثانیۃ)، 1/ 79

اس کی جمع ہے اباعہ سامان کو بیع کیلئے پیش کرنا ۔بایعه مبایعه و بیا عا مطلب عقد بیع منعقد کرنا۔ ابتاعه ای اشتراه یعنی اس نے چیز خریدی۔

بیع کا انعقاد

بیع ایجاب اور قبول سے منعقد ہو جاتی ہے۔ بیع تعاطی میں مبیع اور ثمن کا تبادلہ بغیر کسی تعبیر والفاظ کے ہوتا ہے۔ جیسے مشتری کو کوئی چیز پسند آئی اور اس پہ ثمن لکھا ہوا ہے پس وہ بائع کو قیمت ادا کرتا ہے اور بغیر کسی کلام کے سامان لے لیتا ہے۔ جمہور علماء کے ہاں بیع کے تام ہونے کے تین ارکان ہیں بائع مشتری، مبیع اور ایجاب قبول یا ایجاب قبول کے قائم مقام یعنی بیع تعاطی ہو البتہ احناف کے ہاں ایجاب قبول رکن بیع ہیں اور باقی رکن نہیں ہیں۔ اور جب بیع میں اس کی شرائط اور مذکورہ بالا عناصر پائے جائیں تو وہ بیع مشروع ہوتی ہے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے۔

﴿وَأَحَلَّ اللَّهُ الْبَيْعَ وَحَرَّمَ الرِّبَا﴾[1]

ترجمہ: اور اللہ تعالیٰ نے بیع کو حلال اور سود کو حرام کیا ہے۔

ایک اور جگہ فرمایا:

﴿يَأَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لَا تَأْكُلُوا أَمْوَالَكُمْ بَيْنَكُمْ بِالْبَاطِلِ إِلَّا أَنْ تَكُونَ تِجَارَةً عَنْ تَرَاضٍ مِنْكُمْ ۚ وَلَا تَقْتُلُوا أَنْفُسَكُمْ ۚ إِنَّ اللَّهَ كَانَ بِكُمْ رَحِيمًا﴾[2]

"اے ایمان والوں! ایک دوسرے کے مال باطل طریقے سے نہ کھاؤ ہاں اگر آپس کی رضامندی سے لین دین کی کھلی اجازت ہے اسکے خلاف کر کے اپنے آپ کو ہلاکت میں مت ڈالو یقین مانو اللہ تم پر مہربانی کا معاملہ کرنا چاہتا ہے"۔

بیع کی اقسام

بیع کو بنیادی طور پر دو اقسام میں تقسیم کیا جاتا ہے۔ پہلی قسم کا تعلق بدل و عوض سے ہے جب کہ دوسری کا تعلق بیع کے حکم کے ساتھ ہے پھر بدل و عوض سے تعلق رکھنے والی قسم کے مزید دو اقسام ہیں۔

---

[1] البقرۃ:275

[2] النساء: 29

ایک قسم دوطرفہ بدل وعوض (counter-values) سے تعلق رکھتی ہے جب کہ دوسری قسم صرف ایک طرف کے بدل وعوض سے متعلق ہے یعنی قیمت کے ساتھ کسی چیز کو خریدنے کے لحاظ سے ہے۔[1]

دوطرفہ بدل وعوض(counter-values)کے لحاظ سے بیع کی اقسام

1) عین کی عین کے ساتھ بیع / بارٹر سسٹم[2]

یہ ایک شے کا دوسرے شے سے تبادلہ کرنے کو کہتے ہیں یہ بیع مقایضہ یا جنس کی جنس سے تبادلے پر مشتمل بیع بھی کہلاتی ہے۔

اس بیع میں عین کی بیع عین سے ہوتی ہے یعنی ایک چیز دے کر اس کے بدلے دوسری چیز خریدنا۔ اس کو بیع مقایضہ یا ایک جنس کی بیع دوسری جنس سے کہلاتی ہے۔

2) عین کی دین کے ساتھ بیع (یعنی سامان کی زر نقد کیساتھ بیع)

یہ سامان تجارت کی زر نقد کے ساتھ یعنی درہم ودنانیر اور رائج سکوں، نیز ناپ تول اور باہم مشابہ اور گنتی کی جانے والی ایسی اشیاء کے عوض فروخت کو کہتے ہیں جن کی صفات متعین کر دی گئی ہوں۔

3) بیع سلم

اس میں بائع کے ذمے مبیع کی ادائیگی مستقبل میں واجب الاداء ہوتی ہے اور خریدار پیسے اڈوانس میں ادا کرتا ہے۔[3]

قرآن سے ثبوت:

﴿يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا إِذَا تَدَايَنتُمْ بِدَيْنٍ إِلَى أَجَلٍ مُسَمًّى فَاكْتُبُوهُ﴾[4]

ترجمہ: اے ایمان والو! جب تم آپس میں معاملہ کرو قرض کسی مقررہ وقت تک پس اس کو تحریر کرو۔

"السلم عقد مشروع بالكتاب:فقد قال ابن عباس رضي الله عنهما: أشهد أن الله تعالى أحل السلف المضمون"[1]

---

[1] کاسانی، اَبو بکر بن مسعود، **بدائع الصنائع** (بیروت: دار الکتب العلمیۃ، الطبعۃ: الثانیۃ، 1986)5/ 24،

[2] زر کے استعمال کے بغیر کسی شخص کی اشیاء اور خدمات کا دوسرے لوگوں کی اشیاء اور خدمات کے براہ راست تبادلہ بارٹر سسٹم ہوتا ہے زر ایجاد ہونے سے قبل بارٹر اشیاء اور خدمات کے تبادلہ کا ایک پرانا طریقہ ہے۔ بارٹر سسٹم کا استعمال صدیوں پہلے تقریبا 6000 سال قبل مسیح اور شاید پہلے سے تھا۔

[3] کاسانی، **بدائع الصنائع**،5/ 25

[4] البقرۃ:282

ترجمہ: بیع سلم مشروع ہے کتاب سے، پس ابن عباس رضی اللہ عنھما فرماتے ہیں کہ میں گواہی دیتاہوں کہ اللہ تعالی نے بیع سلف کو حلال فرمایاہے۔

4) بیع صرف/ Money Exchange

بیع صرف وہ بیع ہے کہ جس میں عوضین ثمن ہوتے ہیں، مثلاً روپے کے بدلے میں ڈالر خریدنا جسے Money exchange کہتے ہیں۔

"الصرف هو البيع إذا كان كل واحد من عوضيه من جنس الأثمان" سمي به للحاجة إلى النقل في بدليه من يد إلى يد. والصرف هو النقل والرد لغة----"[2]

صرف وہ بیع ہے کہ جس میں عوضین ثمن یعنی رقوم ہوتی ہیں۔اس کانام صرف اس لئے رکھاہے کہ یہ ایک بندے سے دوسرے کی طرف منتقل ہو جاتی ہے اور صرف لغت میں نقل ورد کو کہتے ہیں۔

ثمن کے اعتبار سے بیع کی اقسام

یہ بیع کی وہ اقسام ہیں جن کا تعلق یک طرفہ عوض وبدل،یعنی ثمن سے ہے۔

1) بیع مرابحہ اور بیع تولیہ

بیع مرابحہ وہ بیع ہے جس میں بائع اصل ثمن میں کچھ منافع رکھ کر بیچتاہے بیع تولیہ میں بائع بغیر کسی منافع کے محض قیمت خرید پر بیچتاہے۔یہ دونوں صورتیں جائز ہیں کیونکہ بیع کی تمام شرائط اس میں موجود ہیں۔

"المرابحة نقل ما ملكه بالعقد الأول بالثمن الأول مع زيادة ربح، والتولية نقل ما ملكه بالعقد الأول بالثمن الأول من غير زيادة ربح"[3]

ترجمہ: مرابحہ ثمن اول میں منافع کے ساتھ انتقال ملکیت کو کہتے ہیں جب کہ تولیہ ثمن اول میں کسی منافع کے اضافے کے بغیر انتقال ملکیت کو کہتے ہیں۔

مرابحہ انتقال معاہدہ کانام ہے جو عقد اول کے ثمن میں منافع کے ساتھ ہو جب کہ تولیہ عقد اول کے ثمن اول میں منافع کے بغیر انتقال معاہدہ کو کہتے ہیں اور یہ دونوں بیوعات جائز ہیں کیونکہ اس میں جواز کی تمام

---

[1] برھان الدین، علي بن أبي بكر، الھدایہ فی شرح بدایۃ المبتدی (بیروت: دار احیاء التراث العربی، 2007، الطبعۃ الاولیٰ) 3/96

[2] برھان الدین، الھدایہ فی شرح بدایۃ المبتدی، 3/74

[3] برھان الدین، الھدایہ فی شرح بدایۃ المبتدی، 3/105

شرائط پائی جاتی ہیں اور بیع کی اس قسم کی ضرورت بھی ہے کیونکہ جو شخص ناسمجھ ہو اور تجارت کو نہ سمجھتا ہو وہ کسی سمجھدار کے فعل کا سہارا لینے کا محتاج ہے اور اس کا دل مطمئن ہو جس پر بائع نے خریدا اور اس پر منافع کیساتھ بیچا پس جواز کا قول لازمی ہوا، یہی وجہ ہے کہ اس کی بنیاد امانت پر ہے، اور خیانت وشبہ سے بچنے پر ہے اور تحقیق آپ ﷺ نے اس کو درست فرمایا ہے کہ نبی ﷺ نے جب ہجرت کا ارادہ فرمایا تو ابو بکر رضی اللہ عنہ نے دو اونٹ خریدے تو آپ ﷺ نے فرمایا ایک مجھ پہ بیچو تو ابو بکر نے فرمایا وہ آپ کا ہوا تو آپ ﷺ نے فرمایا بغیر ثمن کے میں نہیں لیتا اس حدیث کی تشریح یہ ہے کہ آپؐ نے وہ اونٹی بیع تولیہ یعنی ثمن اول پہ خریدی تھی۔

2) بیع المساومہ

بھاؤ تاؤ کے نتیجے میں طے ہونے والی قیمت پر مشتمل بیع کو بیع المساومہ کہتے ہیں۔ یعنی سامان کو کسی بھی ایسی قیمت پر فروخت کرنا جس پر فریقین متفق ہوں۔

3) بیع الوضعیہ

یہ وہ بیع ہے جس میں بائع قیمت خرید سے کم، یعنی نقصان پر مبیع بیچتا ہے۔ مثلا؛ بائع ایک لاکھ روپے کی کوئی چیز خریدے اور پھر مارکیٹ میں اس چیز کی قیمت کم ہو گئی اور بائع کو وہ چیز اسی ہزار کی بیچنا پڑی پس یہ بیع الوضعیہ ہوئی۔[1]

حکم کے اعتبار سے بیع کی اقسام:

1. بیع نافذ

بائع کے پاس مبیع اور مشتری کے پاس ثمن ہو اور عاقدین عاقل ہوں نیز وہ خود لین دین کریں یا کسی کو وکیل بنا کر کروائیں، جس معاملہ میں یہ تینوں شرائط پائی جائیں اس بیع کا حکم یہ ہے کہ وہ بیع صحیح اور نافذ ہو گی۔

---

[1] کاسانی، **بدائع الصنائع**، 5/35، 134

2. بیع باطل

بیع باطل وہ بیع ہے جو اپنی ذات اور وصف دونوں کے اعتبار سے درست نہ ہو۔ یعنی بیع کے رکن (ایجاب و قبول) میں یا محل (بیچی جانے والی چیز یا قیمت) میں کوئی خلل واقع ہو یا ایسی شرعی خرابی پائی جائے۔

حکم شرعی

بیع باطل کا حکم یہ ہے کہ یہ بیع شریعت کی نظر میں بالکل غیر معتبر اور ناجائز ہے۔ اس طرح کا وجود میں آنے والا معاملہ کالعدم ہوتا ہے، لہٰذا اس کی وجہ سے خریدار خریدی ہوئی چیز کا مالک نہیں بنتا، نہ اُسے اپنے استعمال میں لا سکتا ہے اور نہ ہی آگے فروخت کر سکتا ہے، بلکہ اس کی وجہ سے وہ گناہ کا مرتکب ہوگا۔ اسی طرح فروخت کنندہ بھی بیچی ہوئی چیز کے بدلے ملنے والی رقم کا مالک نہیں بنتا ایسے معاملے کو فوراً ختم کرنا ضروری ہے۔[1]

3. بیع فاسد

بیع فاسد وہ بیع ہے جس میں بیع کے ارکان تو پورے ہوں البتہ ضروری شرائط میں سے کوئی ایک شرط نہ پائی جائے یعنی فریقین اور مبیع درست ہوں البتہ ملائم عقد میں سے کوئی شرط مفقود ہو مثلاً ثمن (چیز کی قیمت) کا مجہول ہونا یا فریقین میں سے کسی ایک کا اس سے لاعلم ہونا۔ یا اس میں کوئی فاسد شرط لگانا مثلاً مکان کو اس شرط پر بیچنا کہ ایک سال تک اس میں مالک خود رہے گا۔[2]

بیع فاسد کا حکم

جب مشتری نے بیع فاسد میں بائع کی رضامندی کے ساتھ مبیع پر قبضہ کیا جب کہ مبیع اور ثمن مال تھے تو وہ اس مبیع کا مالک بن جائے گا اور اس چیز کی قیمت خریدار پر لازم ہو جائے گی۔ امام شافعیؒ فرماتے ہیں کہ مبیع پر قبضہ کرنے سے خریدار اس کا مالک نہیں بن سکتا کیونکہ یہ بیع فاسد ہے اور اسلام میں ایسی بیع ممنوع ہے۔ شریعت میں ممانعت کی وجہ سے اس معاملہ میں وہ مالک نہیں بن سکتا کیونکہ ممانعت اور جواز ایک دوسرے کی ضد ہیں یہ بالکل اس طرح ہے جیسے کسی نے چیز مردار کے بدلے میں بیچی یا شراب روپوں کے بدلے میں بیچی تو اس بیع میں خریدار کو محض قبضہ کی بنیاد پر ملکیتی حقوق حاصل نہیں ہونگے۔ احناف کی دلیل

---

[1] ابن نجیم، **البحر الرائق** (بیروت: مکتبۃ لبنان، 1434، الطبعۃ الثانیۃ) 6/170

[2] ابن نجیم، **البحر الرائق**، 5/147

یہ ہے کہ بیع میں ایجاب و قبول موجود ہے اور بائع و مشتری بھی معاملہ کرنے کی اہلیت رکھتے ہیں اور مبیع مال بھی ہے لہٰذا بیع کے منعقد ہونے میں کلام نہیں ہے۔ کیونکہ بیع کے بنیادی ارکان اور شرائط موجود ہیں۔ جہاں تک ممانعت کی بات ہے تو وہ ایک خارجی امر کی وجہ سے ہے جو اصل بیع کیلئے مانع نہیں ہے۔ بیع فاسد میں ملکیت کی بنیاد کمزور ہوتی ہے کیونکہ معاہدے کے ساتھ ایک مکروہ چیز لگی ہوتی ہے البتہ قبضے کے ذریعے اس کو تقویت دی جاسکتی ہے۔[1]

4. بیع موقوف

بیع موقوف وہ بیع ہے جس میں کوئی شخص کسی دوسرے شخص کی چیز کو اس کی اجازت یا ولایت کے بغیر فروخت کرے، اس کا حکم یہ ہے کہ جب تک کہ اصل مالک کی اجازت اور رضامندی حاصل نہ ہو، یہ معاملہ صحیح نہ ہوگا، البتہ اگر مالک اجازت دیدے تو اس کے بعد صحیح ہو جائے گا۔[2]

صحت بیع کی شرائط

صحت بیع کے لئے مندرجہ ذیل شرائط کا پایا جانا ضروری ہے۔

1. فریقین کا عاقل ہونا

خریدنے اور بیچنے والوں کا عقلمند ہونا ضروری ہے۔ اگر فریقین میں سے کوئی مجنون یا ناسمجھ بچہ ہو تو بیع منعقد نہیں ہوگی۔ اس طرح فریقین ایک ہی وکیل کے ذریعے معاہدہ نہیں کرسکتے ہر فریق کا اپنا وکیل ہونا لازمی ہے۔ البتہ فریقین کیلئے آزد اور بالغ ہونا لازمی نہیں ہے نابالغ اور غلام کی بیع بھی منعقد ہوتی ہے البتہ بیع غلام کے مالک اور بچے کے سرپرست کی اجازت تک موقوف رہے گی۔[3]

2. ایجاب و قبول اور الفاظ

ایجاب و قبول میں مطابقت ہو یعنی فریقین سے ایک ہی چیز کے بارے میں ایجاب و قبول ثابت ہو یعنی جس چیز کو بیچنے کی پیشکش کی گئی اس کے علاوہ کوئی اور چیز قبول کی یا قیمت پر رضامند نہ ہوا یا جزوی طور پر قبول کی

---

[1] برھان الدین، **الھدایۃ فی شرح بدایۃ المبتدی**، ص:3/45

[2] ابن الھمام، محمد بن عبد الواحد، **فتح القدیر** (بیروت دار الفکر-1427ھ)6/42/43

[3] برھان الدین، **الھدایۃ فی شرح بدایۃ المبتدی**، 5/156-180

تو بیع منعقد نہیں ہو گی البتہ شفعہ میں جزوی طور پر قبول کرنا درست ہے۔ اس طرح فریقین کی جانب سے ایجاب وقبول کے الفاظ ماضی ہونا ضروری ہیں۔[1]

3. مجلس معاہدہ

مجلس معاہدہ کا ایک ہونا ضروری ہے یعنی جس جگہ اس کو پیشکش کی گئی ہو اسی مجلس میں خریدار قبول کرے بعد میں کسی اور جگہ قبول کرنے پر بائع مبیع بیچنے کا پابند نہیں ہو گا۔[2]

4. چیز موجود ہو معدوم نہ ہو

کسی معدوم چیز یا ایسی چیز جس کے معدوم ہونے کا اندیشہ ہو بیچنا جائز نہیں ہے۔ مثلا جانور کے حمل، پھلوں کو پکنے سے پہلے اور مچھلی کے شکار سے پہلے اسے بیچنا جائز نہیں ہے۔[3]

5. مال ہو

آزاد انسان، مدبر، ام ولد اور مکاتب کا بیچنا جائز درست نہیں کیونکہ یہ مال نہیں ہیں[4]۔

6. مالیت والی ہو

مردار، خون، شراب اور خنزیر کا بیچنا درست نہیں ہے۔

7. ملکیت کیلئے درست ہو

اپنی محنت سے قبل گھاس، دریا اور کنویں کے پانی کا بیچنا درست نہیں ہے کیونکہ وہ مباح شئی ہے جس سے سب استفادہ کرسکتے ہیں۔

8. چیز بائع کی ملکیت میں ہو

قبضہ سے پہلے بیچنا درست نہیں ہے کیونکہ اس طرح مبیع بائع کی ملکیت میں نہیں آتی۔

9. مبیع قابل سپردگی ہو

---

[1] ابن الھمام، **فتح القدیر**، 6/42/43

[2] الکاسانی، **بدائع الصنائع**، 5/299 مزید دیکھئے منصوری، محمد طاہر، **احکام بیع**، (ادارۃ تحقیقات اسلامی طبع اوّل 2005ء) 1/46

[3] ایضاً، 3/39-138

[4] ایضاً، 3/140

اس طرح جو چیز قابل سپردگی نہ ہو تو اس کا بیچنا درست نہیں ہے مثلاً مچھلی کے شکار سے پہلے اسے بیچنا، ہوا میں اڑتے پرندے کا بیچنا وغیرہ درست نہیں کیونکہ ان صورتوں میں مبیع بائع کی ملکیت میں نہیں ہوتی۔[1]

خلاصہ

بیع و شراء خرید و فروخت کو کہتے ہیں لفظ بیع اضداد میں سے ہے یعنی "بیچنے اور خریدنے "دونوں کے معنیٰ میں استعمال ہوتا ہے۔ بیع کی بہت ساری اقسام ہیں حکم کے اعتبار سے، بدل وعوض کے اعتبار سے اور نفع نقصان کے اعتبار سے اس طرح لین دین کرنے والے کو بائع اور مشتری کہتے ہیں۔ منافع کے ساتھ بیچنے کو بیع مرابحہ جب کہ نہ فائدہ نہ نقصان برابر بیچنے کو تولیہ، بھاؤ تاؤ کر کے بیچنے کو مُساوَمہ جب کہ نقصان کے ساتھ بیچنے کو بیع الوَضعِیہ کہتے ہیں اور بیع صرف میں زر کا تبادلہ /Money Exchange ہوتا ہے۔ بیع باطل میں ارکان بیع میں نقص پایا جاتا ہے جب کہ بیع فاسد میں ملازم بیع میں نقص ہوتا ہے بیع موقوف وہ بیع ہے، جو غلام کے مالک یا نابالغ بچے کے ولی وارث کی اجازت پر موقوف ہو۔

بیع کی صحت کیلئے مندرجہ ذیل شرائط کا پایا جانا ضروری ہے ۔- بائع اور مشتری کی رضامندی۔ 2- عقد کرنے والا ایسا ہو جس کا تصرف کرنا جائز ہو یعنی ان میں سے ہر ایک آزاد، مکلف اور سمجھدار ہو۔ 3- مبیع (فروخت کردہ چیز) ایسی ہو جس سے نفع اٹھانا مطلقاً مباح ہو۔ 4- مبیع، بائع کی ملکیت ہو یا پھر عقد کے وقت اسے اس کی بیع کرنے کی اجازت ہو۔ 5- مبیع، بائع اور مشتری دونوں کو معلوم ہو یا تو اسے دیکھ کر یا پھر اس کے اوصاف جان کر۔ 6- ثمن معلوم ہو۔ 7- مبیع ایسی چیز ہو جسے سپرد کرنے پر قدرت حاصل ہو۔

[1] الکاسانی، **بدائع الصنائع**،، 5/134

فصل دوم

بیع استصناع کا مفہوم اور اس کا ثبوت و اہمیت

استصناع (Manufacturing Contract) سے مراد "مطالبہ کرکے کوئی چیز تیار کروانا" ہے۔ یعنی ایک انسان کسی دوسرے کو مخصوص رقم کے عوض متعین صفات پر مشتمل کسی ایسی چیز بنانے کا مطالبہ کرے جو ابھی تک تیار نہیں ہے۔

استصناع کی لغوی تعریف

"ألإستصناع فى اللغة: طلب الصنع، والصنع: ألعمل ، والصناعة: حرفة الصانع"[1]

استصناع (باب استفعال کا مصدر ہے)،اس کے لغوی معنیٰ ہیں،"طلب الصنعة"یعنی کسی چیز کے بنانے اور تیار کرنے کا مطالبہ کرنا، استصناع کا مادہ:صنع"باب فتح يفتح سے ہے،اس کے معنیٰ بنانے یا بناوٹ کے ہیں۔

"والصناعة – بكسر الصاد: حرفة الصانع، واصطنعه: اتخذه،ومنها قوله تعالى: ﴿وَاصْطَنَعْتُكَ لِنَفْسِي﴾قال الماوردي : (يحتمل وجهين أحدهما: خلقتك، مأخوذ من الصنعة، الثاني، اخترتك، مأخوذ من الصنيعة) ومنها قوله تعالى: ﴿صُنْعَ اللَّهِ الَّذِي أَتْقَنَ كُلَّ شَيْءٍ﴾أي فعل الله الذي أتقن كل شيء،ومنها قوله تعالى في حق إدريس (عليه السلام): ﴿وَعَلَّمْنَاهُ صَنْعَةَ لَبُوسٍ لَكُمْ لِتُحْصِنَكُمْ مِنْ بَأْسِكُمْ﴾ ومنها قوله تعالى: ﴿وَتَتَّخِذُونَ مَصَانِعَ لَعَلَّكُمْ تَخْلُدُونَ﴾" [2]

ترجمہ:

" صناعة صاد پر زیر کے ساتھ کا مطلب ہوتا ہے کہ صانع کی صنعت و حرفت۔و اصطنعه اس نے (وہ چیز بنالی) اللہ تعالیٰ نے قرآن میں ارشاد فرمایا"واصطنعتك لنفسي"کہ تجھے میں نے اپنے لئے بنایا (یعنی تجھے مختص کیا تاکہ میرا پیغام بنی اسرائیل تک پہنچاؤ)[3]-ماوردی فرماتے ہیں کہ اس لفظ میں دو احتمالات ہیں ایک کا مطلب یہ ہے کہ میں نے تجھے بنایا اور یہ صنعۃ سے ماخوذ ہے، دوسرا احتمال یہ ہے کہ میں نے تجھے منتخب کیا اور یہ صنیعۃ سے ماخوذ ہے اور اسی سے ہے کہ یہ اللہ کی کاریگری ہے جس نے ہر چیز کو (حکمت و

---

[1] ابن المنظور، **لسان العرب**،8/208-209

[2] الرازی، **مختار الصحاح**،(بیروت،مکتبۃ لبنان ناشرون،طبعۃ جدیدۃ،2014)،1/371

[3] البغوی، حسین بن مسعود، **تفسیر بغوی / معالم التنزیل**،(بیروت: دار الکتب، الطبعۃ الثالثۃ،1407)،1/454

تدبیر کے ساتھ) مضبوط و مستحکم بنا رکھا ہے"۔ اور اسی سے اللہ تعالیٰ کا ادریسؑ کے بارے میں قول ہے کہ "اور ہم نے اُسے تمہارا ایک پہناوا بنانا سکھایا کہ تمہیں تمہارے زخمی ہونے سے بچائے اور اسی سے اللہ تعالیٰ کا قول ہے کہ اور تم بڑے بڑے محل تعمیر کرتے ہو گویا کہ تمہیں ہمیشہ رہنا ہے"۔

اور مختار الصحاح میں مذکور ہے:

"واستصنع الشيء: دعا إلى صنعه، فالاستصناع لغة: طلب الفعل"[1]

ترجمہ: اور اس نے کسی چیز کی استصناع چاہا یعنی اس کو بنوانے کا آرڈر دیا پس استصناع کا لغوی معنیٰ کسی کام کو طلب کرنا۔

قرآن کریم میں ہے۔

﴿صُنْعَ اللَّهِ الَّذِي أَتْقَنَ كُلَّ شَيْءٍ﴾-[2]

ترجمہ: "یہ اللہ کی کاریگری ہے جس نے ہر چیز کو (حکمت و تدبیر کے ساتھ) مضبوط و مستحکم بنا رکھا ہے"۔

پس صنعت یا صناعت کسی بھی قسم کی کاریگری کو کہتے ہیں، استصناع اسی سے ماخوذ ہے۔

استصناع کی اصطلاحی تعریف

ائمہ ثلاثہ امام مالک، امام شافعی اور امام احمد بن حنبل رحمہم اللہ اور احناف میں سے امام زفر رحمہ اللہ کے نزدیک استصناع سلم ہی ہے، اس لئے کہ جو سلم کی شرائط ہیں وہی استصناع کی شرائط ہیں، فقہاء احناف رحمہم اللہ کے نزدیک استصناع ایک مستقل عقد ہے۔، جو کہ سلم سے علیحدہ ہے پھر فقہاء احناف رحمہم اللہ نے استصناع کی اصطلاحی تعریف اپنے اپنے الفاظ میں بیان کی ہے۔

چنانچہ علامہ ابن عابدین شامی رحمہ اللہ استصناع کی تعریف کرتے ہوئے لکھتے ہیں۔

"طلب العمل من الصانع فی شیئ مخصوص علی وجه مخصوص-"[3]

ترجمہ: "کسی خاص چیز کو خاص کردہ خصوصیات کے ساتھ (تیار کروانے کے لئے) کاریگر سے عمل طلب کرنا"۔

مفتی محمد تقی عثمانی نے استصناع کی اصطلاحی تعریف اس طرح لکھی ہے:

---

[1] الرازی، **مختار الصحاح**، 1415-1995/ 371

[2] النمل: 88

[3] ابن عابدین، محمد أمین بن عمر، **رد المحتار علی الدر المختار** (بیروت: دار الفکر، 1424، الطبعۃ الاولیٰ)، 5/ 223

"استصناع کا معنی ہے کسی تیار کنندہ (مینوفیکچرر) کو یہ آرڈر دینا کہ وہ خریدار کے لئے متعین چیز بنا کر دے، اگر تیار کنندہ (Manufacturer) اپنے پاس سے خام مال لگا کر خریدار کے لئے چیز تیار کرنے کی ذمہ داری قبول کرلیتا ہے تو استصناع کا عقد وجود میں آجائے گا۔"[1]

اس سلسلہ میں استصناع کی مفصل تعریف علامہ ابن نجیم مصریؒ نے فرمائی ہے:

"وشرعا أن يقول لصاحب خف أو مكعب أو صفار اصنع لي خفا طوله كذا وسعته كذا أو دستا أي برمة تسع كذا ووزنها كذا على هيئة كذا بكذا وكذا ويعطي الثمن المسمى أو لايعطي شيئا فيقبل الآخر منه"-[2]

ترجمہ:

شرعی طور پر استصناع یہ ہے کہ مثلاً کوئی شخص موزہ بنانے والے، بکس بنانے والے، یا برتن بنانے والے سے یہ کہہ دے کہ میرے لئے موزہ بنادو جس کی لمبائی اتنی ہو اور اس کی چوڑائی اتنی ہو، یا دیگ ساز سے کہے کہ میرے لئے دیگ بنادو جس میں اتنا سمانے کی گنجائش ہو اور اس کا وزن اتنا ہو اور اس کی شکل وصورت اور بناوٹ ایسی ہو اور مقررہ قیمت ادا کردے یا کچھ بھی ادا نہ کرے اور دوسرا اس کو قبول کرلے۔

علامہ علاء الدین الکاسانی رحمہ اللہ نے استصناع کی تعریف یوں کی ہے۔

"هو عقد على مبيع في الذمة"[3]

ترجمہ: "استصناع ایسی مبیع پر عقد کرنے کا نام ہے جو صانع کے ذمہ ہو"۔

استصناع کے ارکان

استصناع چونکہ ایک مستقل عقد ہے اس لئے حضرات فقہاء کرام رحمہم اللہ نے اس کے ارکان (جن کے بغیر اس کا وجود نہیں ہو سکتا ہے) بیان کئے ہیں، اور فرمایا کہ عقد استصناع کے بنیادی ارکان تین ہیں۔

(1) عاقدین یعنی صانع اور مستصنع۔

(2) صیغہ عقد۔

[1] عثمانی، مفتی، محمد تقی، **اسلام اور جدید معاشی مسائل**، (کراچی: ادارہ اسلامیات، اشاعت اول، 2009) 154/5

[2] ابن نجیم، **البحر الرائق**، 185/6

[3] کاسانی، **بدائع الصنائع**، 93/4

(3)معقود علیہ۔

(1)عاقدین

مستصنع (مشتری) اور صانع (بائع) ہیں جن میں بنیادی طور پر اولاً معاملات و تصرفات کی مکمل اور کامل اہلیت کا ہونا ضروری ہے اور یہ کامل اہلیت عقل تمیز اور رشد سے حاصل ہو گی، ثانیاً ان عاقدین میں ایسی ولایت کا ہونا ضروری ہے جس کے نتیجہ میں اس عقد کو نافذ کر سکیں، خواہ یہ نافذ کرنا اصالۃً ہو یا وکالۃً ہو۔

(2)صیغہ عقد

ایجاب و قبول ہے یعنی وہ کلمات جو انشاء عقد کے وقت عاقدین کی نیت اور ارادہ کی ترجمانی کرتے ہیں اور بائع و مشتری کے رضامندی پر دلالت کرتے ہوں مثلاً مشتری کہے "اصنع لی خفاً" بائع اس کے جواب میں کہے "قبلت"۔

(3)معقود علیہ

مصنوع یا معقود علیہ وہ مال ہے جس پر بیع استصناع کا عقد طے پاتا ہے۔

بیع استصناع کا ثبوت

ائمہ ثلاثہ کے ہاں بیع استصناع میں اگر سلم کی شرائط پائی جائیں تو یہ بیع سلم ہے، ورنہ سرے سے یہ عقد ہی جائز نہیں ہے کیونکہ یہ خلاف قیاس اور بیوع کے اصولوں کے خلاف ہے۔ حنفیہ کے ہاں استصناع کا عقد جائز ہے۔ ایک تو اس لیے کہ آپ ﷺ کے زمانے سے اس کا تعامل چلا آرہا ہے، لہذا اس تعامل کی وجہ سے قیاس کو ترک کیا جا سکتا ہے اور اسی کی وجہ سے آثار (جن میں مبیع کا موجود، مقبوض، مملوک ہونا وغیرہ ضروری قرار دیا گیا ہے) میں تخصیص کی جا سکتی ہے۔ دوسرا حنفیہ بطورِ دلیل ان آثار کو بھی ذکر کرتے ہیں جن میں ہے کہ آپ ﷺ نے ایک منبر اور انگوٹھی بنوائی تھی۔ چنانچہ حضرت سہل بن سعد رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ:

((أَرْسَلَ رَسُولُ اللهِ ﷺ إِلَى فُلَانَةَ امْرَأَةٍ مِنَ الْأَنْصَارِ قَدْ سَمَّاهَا سَهْلٌ مُرِي غُلَامَكِ النَّجَّارَ أَنْ يَعْمَلَ لِي أَعْوَادًا أَجْلِسُ عَلَيْهِنَّ إِذَا كَلَّمْتُ النَّاسَ فَأَمَرَتْهُ فَعَمِلَهَا مِنْ طَرْفَاءِ الْغَابَةِ ثُمَّ جَاءَ بِهَا فَأَرْسَلَتْ إِلَى رَسُولِ اللهِ ﷺ فَأَمَرَ بِهَا فَوُضِعَتْ هَا هُنَا))[1]

[1] البخاری، محمد بن إسماعیل، **صحیح البخاري** (بیروت: دار طوق النجاۃ، الطبعۃ: الأولی، 1422) باب الخُطبَۃِ عَلَی المِنبَرِ، ح:917

ترجمہ: "رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے انصار کی فلاں عورت جن کا سعد رضی اللہ عنہ نے نام بھی بتایا تھا، کے پاس آدمی بھیجا کہ وہ اپنے بڑھئی غلام سے میرے لیے لکڑی جوڑ دینے کے لیے کہیں۔ تاکہ جب مجھے لوگوں سے کچھ کہنا ہو تو اس پر بیٹھا کروں چنانچہ انہوں نے اپنے غلام سے کہا اور وہ غابہ کے جھاؤ کی لکڑی سے اسے بنا کر لایا۔ انصاری خاتون نے اسے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں بھیج دیا۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اسے یہاں رکھوایا"

فقہی تکییف

حنفیہ میں سے صاحبِ ہدایہ کے ہاں اس عقد کی فقہی تکییف یہ ہے کہ یہ شروع سے ہی بیع ہے اور اس میں مبیع وہ چیز ہے جو بنوائی جا رہی ہے جو کہ حکماً موجود ہے حقیقۃً مبیع عقد کے وقت موجود نہیں ہے۔[1] جب کہ علامہ ابن ہمام نے ذخیرہ سے نقل کیا ہے کہ یہ ابتداء میں اجارہ ہے اور انتہاء میں بیع ہے، جیسے ہبہ بشرط العوض ابتداء میں تبرع ہے اور انتہاء میں بیع ہے۔[2]

لزوم

فقہاءِ احناف کے ہاں استصناع کا عقد شرکت و مضاربت کی طرح غیر لازم ہے، لہذا کوئی بھی فریق اس کو فسخ کر سکتا ہے۔ امام ابو حنیفہ اور امام محمد رحمہا اللہ کی رائے یہ ہے کہ جب چیز بن کر آجائے تو خریدار کو خیار رؤیت حاصل ہے۔ وہ اس بنیاد پر چیز لینے سے انکار کر سکتا ہے۔ امام ابو یوسفؒ[3] کی رائے یہ ہے کہ اگر چیز طے شدہ صفات کے مطابق ہے تو خریدار کو نہ لینے کا خیار حاصل نہیں ہے۔ متاخرین نے مطلقاً اس عقد کو لازم قرار دیا ہے، اور خیار رؤیت میں بھی امام ابو یوسفؒ کے قول پر فتوی دینا چاہیے، کیونکہ یہی قول حالاتِ زمانہ کے زیادہ موافق ہے۔[4]

---

[1] ابن الھمام، **فتح القدیر**، 6/242

[2] برھان الدین، محمود بن احمد، **المحیط البرھانی** (بیروت: دار احیاء التراث العربی، الطبعۃ الاولیٰ، 1996ء)، 10/364، 365

[3] **ابو یوسف**: (پیدائش: 113ھ/731ء۔ وفات: 5 ربیع الاول 182ھ/26 اپریل 798ء) امام ابو حنیفہ کے شاگرد اور حنفی مذہب کے ایک امام، یعقوب نام، ابو یوسف کنیت، آپ امام ابو حنیفہ کے بعد خلیفہ ہادی، مہدی اور ہارون الرشید کے عہد میں قضا کے محکمے پر فائز رہے اور تاریخ اسلام میں پہلے شخص ہیں جن کو قاضی القضاۃ (چیف جسٹس) کے خطاب سے نوازا گیا، لیکن بادشاہ کی ہاں میں ہاں ملا کر نہیں رہے، بلکہ ہر معاملہ میں شریعت کا اتباع کرتے، یہاں تک کہ بادشاہ کا مزاج درست کر دیا۔ آپ کی مشہور تصنیف کتاب الخراج فقہ حنفی کی مستند کتابوں میں شمار ہوتی ہے۔

[4] وزارۃ الاوقاف، **الموسوعۃ الفقہیہ الکویتیہ** (کویت: دار السلاسل، الطبعۃ الثانیۃ، 1427ء)، 3/329

شرائط

معقود علیہ ایسی چیز ہو جو صنعت کی محتاج ہو۔

مبیع کی جنس، نوع اور صفات کے ذریعے اس کی تحدید کر دی جائے، لیکن وہ کوئی متعین بالذات چیز نہیں ہونی چاہیے۔

مبیع کی وصولی کے لیے "اجل مہلت" طے نہ ہو۔

اگر مبیع ایسی چیز ہے جس میں استصناع کا تعامل نہ ہو تو یہ عقد بالاتفاق بیع سلم بن جائے گا۔ لہذا اس کی شرائط ضروری ہیں ورنہ عقد فاسد ہو جائے گا۔

اگر مبیع ایسی چیز ہے جس میں استصناع کا تعامل ہے تو امام ابو حنیفہؒ کے ہاں تب بھی یہ سلم ہو جائے گا، صاحبین کے ہاں سلم نہیں بنے گا۔

اگر اجلِ مہلت طے نہ ہو، بلکہ اجلِ استعجال طے ہو جائے تو اس سے استصناع پر کوئی فرق نہیں پڑتا، عقد درست ہی رہے گا۔

اجلِ مہلت اور اجلِ استعجال میں فرق یہ ہے کہ اجلِ مہلت میں اتنی مدت و اجل کی شرط لگائی جاتی ہے جو مبیع کی تیاری سے زیادہ ہو، جس میں بائع کو قیمت سے انتفاع کی سہولت حاصل ہو۔ جب کہ اجلِ استعجال یہ ہے کہ صرف اتنی مدت طے کی جائے جس میں فقط مبیع تیار ہو سکے، مزید کسی سہولت کے لیے نہ ہو۔

مبیع ایسی چیز ہو جس میں استصناع کا تعامل ہو۔ اگر عدمِ تعامل والی چیز ہو اور اس میں اجلِ مہلت بھی ہو تو یہ عقد، بیع سلم ہو جائے گا۔ اور اگر اجل طے نہ ہو یا اجلِ استعجال ہو تو یہ عقدِ فاسد ہو گا، مگر اتمام کے بعد اس پر صحت کا حکم لاگو ہو گا۔ تعامل میں عرف عام اور موجودہ تعامل بھی معتبر ہے۔[1]

مصنوع کے احکام

مبیع طے شدہ صفات کے موافق ہو۔ اگر صفات کے خلاف ہو تو خریدار کو نہ لینے کا اختیار حاصل ہے۔

اگر صانع نے پہلے سے تیار شدہ چیز حوالے کر دی تو یہ بھی درست ہے، بشرطیکہ عقد کے وقت اس چیز کی تعیین نہ ہو، بلکہ صرف صفات متعین ہوئی ہوں۔

---

[1] ابن الھمام،، **فتح القدیر**، 6/43

مبیع جب تک حوالے نہ کی جائے وہ صانع (بائع) کی ملک ہے۔ اسی پر ضمان وغیرہ آئے گا اور وہ اس کو کسی اور کو بیچ سکتا ہے۔

اگر صانع نے چیز مستصنع یا اس کے وکیل کے حوالے کر دی یا تخلیہ کر دیا تو صانع کا ذمہ بری ہو جائے گا۔

اگر وقت سے پہلے مبیع تیار ہو جائے اور حوالے کی جائے تو خریدار پر لینا لازم ہے۔ [1]

ثمن کے احکام

ثمن معلوم ہو۔

ثمن کا معجل ہونا شرط نہیں۔ مؤجل [2] بھی جائز ہے اور قسطوں کی شکل میں بھی طے کرنا بھی جائز ہے۔

اگر ثمن ابتداء میں صانع کو دیدیا تو وہ اس کا مالک ہو جائے گا، اس سے انتفاع حاصل کر سکتا ہے۔

کسی منفعت کو بھی ثمن بنایا جا سکتا ہے۔

فتاویٰ عالمگیری میں استصناع کی مزید وضاحت یوں لکھی گئی ہے۔

"وصورته أن يقول للخفاف اصنع لي خفا من أديمك يوافق رجلي ويريه رجله بكذا أو يقول للصائغ صغ لي خاتما من فضتك وبين وزنه وصفته بكذا وكذا لو قال لسقاء أعطني شربة ماء بفلس أو احتجم بأجر فإنه يجوز لتعامل الناس، وإن لم يكن قدر ما يشرب وما يحتجم من ظهره معلوما كذا في الكافي الاستصناع ينعقد إجارة ابتداء ويصير بيعا انتهاء قبل التسليم بساعة هو الصحيح كذا في جواهر الأخلاطي ولا خيار للصانع بل يجبر على العمل وعن أبي حنيفة - رحمه الله تعالى - إن له الخيار كذا في الكافي وهو المختار"[3]

ترجمہ:

استصناع کی صورت یہ ہے کہ کوئی شخص موزہ بنانے والے سے کہے کہ میرے لئے اپنے چمڑے سے موزہ بنادے جو میرے پیر کے سائز کا ہو، اور اسے اپنا پیر دکھادے اور قیمت متعین کرلے یا کسی انگوٹھی بنانے والے سے کہے کہ تو میرے لیے اپنی چاندی سے اتنے وزن اور اتنے سائز کی انگوٹھی بنادے اتنی اجرت پر یا کسی شربت فروخت کرنے والے سے کہے کہ تو مجھے ایک گلاس شربت بنا کر دے، یا کسی سینگی

---

[1] کاسانی، **بدائع الصنائع**، 5/ 70،

[2] مؤجل یعنی ادھار

[3] البلخي، نظام الدین ولجنة علماء، **فتاویٰ عالمگیری**، (بیروت، دار الفکر، طبعة ثانیه-1428ء)، 3/ 207

لگانے والے سے کہے کہ اتنی اجرت پر مجھے سینگی لگادے تو یہ سب جائز ہوں گے ،تعامل الناس کی وجہ سے اگرچہ شربت پینے اور پشت پر سینگی لگانے کی مقدار معلوم نہ ہو، کتاب الکافی میں ایسا ہی لکھا ہے۔ اور اسی طرح الکافی میں لکھا ہے استصناع ابتداء میں اجارہ ہے جب کہ انتہاء میں بیع ہے تسلیم کرنے سے تھوڑی دیر قبل اور یہی درست ہے اسی طرح جوہر اخلاطی میں لکھا ہے اور صانع کو خیار حاصل نہیں ہے بلکہ اسے عمل کرنے یعنی آرڈر تیار کرنے پر مجبور کیا جائے گا ابو حنیفہؒ سے مروی ہے کہ بیشک اس کو خیار حاصل ہے اور کافی میں بھی اسی طرح لکھا ہے اور یہی مفتیٰ بہ ہے۔

خلاصہ

آرڈر پر کسی بھی چیز کو بنوانا استصناع کہلائے گا۔ استصناع میں مبیع اور ثمن دونوں اُدھار رکھے جاسکتے ہیں ،جب کہ سلم میں ثمن اڈوانس ہوتا ہے۔ ائمہ ثلاثہ بیع استصناع میں سلم کی شرائط کو لازمی قرار دیتے ہیں اور اس کے الگ سے بیع ہونے کے انکاری ہیں جب کہ امام ابو حنیفہؒ اس کو مستقل بیع تصور کرتے ہیں۔ بیع استصناع کے لئے ضروری ہے کہ معقود علیہ ایسی چیز ہو جو صنعت کی محتاج ہو، مبیع کی جنس، نوع اور صفات کے ذریعے اس کی تحدید کردی جائے، لیکن وہ کوئی متعین بالذات چیز نہیں ہونی چاہیے اور مبیع کی وصولی کے لیے "اجلِ مہلت" طے نہ ہو۔ مزید یہ کہ ثمن معلوم ہو، ثمن کا معجل ہونا ضروری نہیں۔ مؤجل بھی جائز ہے اور قسطوں کی شکل میں بھی طے کرنا بھی جائز ہے۔

اگر ثمن ابتداء میں صانع کو دیدیا تو وہ اس کا مالک ہو جائے گا، اس سے انتفاع حاصل کر سکتا ہے۔

کسی منفعت کو بھی ثمن بنایا جاسکتا ہے۔

فقہاء احناف کے ہاں استصناع کا عقد شرکت و مضاربت کی طرح غیر لازم ہے، لہذا کوئی بھی فریق اس کو فسخ کر سکتا ہے۔ امام ابو حنیفہ اور امام محمد رحمہا اللہ کی رائے یہ ہے کہ جب چیز بن کر آجائے تو خریدار کو خیار رؤیت حاصل ہے وہ اس بنیاد پر چیز لینے سے انکار کر سکتا ہے۔ امام ابو یوسفؒ کی رائے یہ ہے کہ اگر چیز طے شدہ صفات کے مطابق ہے تو خریدار کو نہ لینے کا خیار حاصل نہیں ہے۔ متاخرین نے مطلقا اس عقد کو لازم قرار دیا ہے، اور خیار رؤیت میں بھی امام ابو یوسفؒ کے قول پر فتوی دینا چاہیے، کیونکہ یہی قول حالاتِ زمانہ کے زیادہ موافق ہے۔ حنفیہ میں سے صاحبِ ہدایہ کے ہاں اس عقد کی فقہی تکییف یہ ہے کہ یہ شروع سے ہی بیع ہے اور اس میں مبیع وہ چیز ہے جو بنوائی جارہی ہے جو کہ حکما موجود ہے حقیقۃ مبیع عقد کے وقت موجود نہیں ہے۔

فصل سوم

بیع استصناع کی شرعی حیثیت

بیع استصناع کا قرآن مجید سے ثبوت

اللہ تبارک وتعالیٰ کا ارشاد ہے:

﴿قَالُوا يَاذَا الْقَرْنَيْنِ إِنَّ يَأْجُوجَ وَمَأْجُوجَ مُفْسِدُونَ فِي الْأَرْضِ فَهَلْ نَجْعَلُ لَكَ خَرْجًا عَلَى أَنْ تَجْعَلَ بَيْنَنَا وَبَيْنَهُمْ سَدًّا۔قَالَ مَا مَكَّنِّي فِيهِ رَبِّي خَيْرٌ فَأَعِينُونِي بِقُوَّةٍ أَجْعَلْ بَيْنَكُمْ وَبَيْنَهُمْ رَدْمًا۔آتُونِي زُبَرَ الْحَدِيدِ حَتَّى إِذَا سَاوَى بَيْنَ الصَّدَفَيْنِ قَالَ انْفُخُوا حَتَّى إِذَا جَعَلَهُ نَارًا قَالَ آتُونِي أُفْرِغْ عَلَيْهِ قِطْرًا ﴾-[1]

ترجمہ:

انہوں نے کہا: اے ذوالقرنین یاجوج وماجوج اس زمین میں فساد پھیلانے والے لوگ ہیں تو ہم آپ کو کچھ مال کی پیش کش کرسکتے ہیں، جس کے بدلے آپ ہمارے اور ان کے درمیان کوئی دیوار بنادیں۔ ذوالقرنین نے کہا میرے رب نے مجھے جو اقتدار عطاء فرمایا ہے، وہی میرے لئے بہتر ہے لہٰذا تم لوگ مدد کرو میری محنت میں، تو میں تمہارے اور ان کے درمیان ایک مضبوط دیوار بناؤں گا۔ مجھے لوہے کی چادریں لادو، یہاں تک کہ جب انہوں نے (درمیانی خلاء کو پاٹ کر) دونوں پہاڑی کے سروں کو ایک دوسرے سے ملادیا تو کہا کہ اب آگ دہکادو، یہاں تک کہ جب اس دیوار کو لال انگارا کردیا تو کہا کہ پگھلا ہوا تانبا لاؤ اب اس پر انڈیلوں گا۔[2]

تفسیر کی روشنی میں بیع استصناع کیلئے استدلال

ان آیات مبارکہ میں ذوالقرنین کا یہ قصہ بیان کیا گیا ہے کہ ان کی قوم نے ان سے ایک ایسی دیوار بنانے کا مطالبہ کیا جو یاجوج ماجوج سے حفاظت کا ذریعہ بن سکے، اور اس عمل پر انہوں نے حضرت ذوالقرنین کو اجرت دینے کا وعدہ بھی کیا، اور قوم کا مقصد یہ تھا کہ میٹریل اور عمل خود حضرت ذوالقرنین کا ہو، وہ اس میں

---

[1] الکہف:94،95،96

[2] عثمانی، محمد تقی، **آسان ترجمہ قرآن** (کراچی: ادارۃ المعارف، 2011ء)94،95،96

شریک نہ ہوں گے،اس واقعہ سے استدلال اس طور پر ہے کہ قرآن کریم میں ذکر کیا ہوا کوئی بھی فعل یا امر یا نہی قابل حجت و عمل ہو گا، مگر یہ کہ قرآن کریم اس کے باطل ہونے پر کوئی تنبیہ کر دے،اس لئے کہ اللہ تعالیٰ نے اپنی کتاب کا نام فرقان وتبیان رکھا ہے ،اگر حضرت ذوالقرنین کے ساتھ طلب کیا جانے والا معاملہ ،باطل ہوتا تو یقیناً اس پر تنبیہ کر دی جاتی اس واقعہ سے میرے مطالعہ کی حد تک کسی مفسر نے استصناع کے ثبوت پر استدلال نہیں کیا۔

البتہ کمال الدین جمعہ نے اپنی کتاب "عقدالاستصناع وصورة المعاصره " میں دکتور محمد سلمان الاشقر کا حوالہ دیکر لکھاہے کہ وہ علامہ شاطبی کے حوالے سے لکھتے ہیں"

"فهذاارشاد قرآنی يعلم منه صحة الاستصناع شرعاً،ولم نر احداًمن اهل العلم تنبه الی استدلال بهذه الآيات واستدلال بهامبنی علی اصل ان كل فعل اوامراونهی صدرعن احدوذكر فی القرآن ،فهو حق الااذانبه القرآن علی بطلانه ،لان الله تعالیٰ سمیٰ كتابه فرقاناًوهدیً،وتبياناًلكل شیءفلايناسبه ان يذكرعن احد من الناس ماهوباطل منكر،ثم يسكت عن التنبيه علی بطلانه فانه ذلک يفهم منه رضاه به ،واستندنافی ذلک الی الشاطبی رحمه الله حيث قال"ومن امثلة هذالقسم جميع ماحكی عن المتقدمين فيالامم السابقته كان حقاً،كحكايته عن الانبياء،والاولياء،ومنه قصة ذی القرنين، وفی هذه القصة ذكر الله تعالیٰ انهم طلبوامن ذی القرنين ان يصنع لهم السد مقابل مال يعطونه اياه والظاهر انهم كانوا يريدون منه ان يعمله بمواد من عنده ،لانهم لم يكونوان يعرفون مم يصنع ،لانهم (لايكادون يفقهون قولاً وهو لم ينكر هذه الصيغة وقوله (مامكنی فيه ربی خير) ليس اعتراضاًعلی ذلک بل هواقتراح لصيغة آخری افضل منها ليسر ما عليهم بان يقدموا مالديهم من امكانيات ،قطع حديدية نحاس آيدعاملة ـوحيث لم يرفض القرآن الطريقة التی اقترحوما ،ولاانكرها فانها تكون مشروعة فی ديننا بناًعلی الاصل الذی بيناه اعلاه "[1]

ترجمہ:

"پس یہ قرانی ارشاد ہے جس سے معلوم ہوتا ہے کہ استصناع شرعی طور پر درست ہے۔اگرچہ پہلے کسی اہل علم نے ان آیات سے استدلال نہیں کیاہے لیکن استدلال اس حقیقت پر قائم ہے کہ ہر وہ عمل، یا حکم یا

[1] الشاطبی، **ابراہیم بن موسیٰ، الموافقات للشاطبی**،(بیروت:دار ابن عفان، الطبعۃ الاولیٰ،1997ء) عقد الاستصناع وصورۃ المعاصرۃ،1/ 125

نہی جو کسی سے صادر ہو اور قرآن مجید میں مذکور ہو تو وہ حق ہوتا ہے یہاں تک کہ قرآن اس کے باطل ہونے کا اعلان کرے کیونکہ اللہ تعالیٰ نے اپنی کتاب کو فرقان، ہدایت اور تبیان کہا ہے پس یہ مناسب نہیں ہو گا کہ لوگوں میں سے کسی کے بارے میں کچھ باطل مذکور ہو اور قرآن اس پر تنبیہ نہ فرمائے اور خاموشی سے رضامندی ظاہر ہو اس کی اضافت ہم نے شاطبیؒ کی طرف کی ہے کیونکہ وہ فرماتے ہیں کہ اس کی امثلہ میں سے جو بھی متقدمین سے حکایت کی گئی ہے انبیاء اور اولیاء کے بارے میں تو وہ حق ہے اور ذوالقرنین کا قصہ بھی انھیں میں سے ہے اس قصہ میں اللہ تعالیٰ نے ذکر فرمایا ہے کہ انھوں نے ذولقرنین سے مطالبہ کیا کہ وہ ان کیلئے ایک دیوار بنائے اور اس کے بدلے وہ اس کو مال بھی دینگے اور بظاہر یہی لگتا ہے کہ ان لوگوں کا یہی ارادہ تھا کہ ذوالقرنین خود سے بنائے کیونکہ وہ نہیں جانتے تھے کہ دیوار کیسے بنائی جاتی ہے۔مَا مَكَّنِّي فِيهِ رَبِّي خَيْرٌ کا مطلب اعتراض کرنا نہیں بلکہ یہ اقتراح ہے دوسری ترتیب کیلئے جو کہ اس سے بہتر ہے تاکہ ان کیلئے آسانی پیدا ہو وہ اس طرح کہ ذولقرنین نے فرمایا کہ ان کے پاس جو لوہے اور پیتل کے ٹکڑے ہیں وہ پیش کریں۔پس جب قرآن نے ان کا ایجاد باطل نہیں فرمایا نہ اس پر کوئی نکیر فرمائی ہے تو اس بنیاد پر ہمارے دین میں یہ عقد مشروع ہے"۔

احادیث مبارکہ سے ثبوت

پہلی حدیث:

((حدثنا يحيى بن يحيى التميمي ومحمد بن رمح قالا أخبرنا الليث ح وحدثنا قتيبة حدثنا ليث عن نافع عن عبد الله أن رسول الله صلى الله عليه وسلم اصطنع خاتما من ذهب فكان يجعل فصه في باطن كفه إذا لبسه فصنع الناس ثم إنه جلس على المنبر فنزعه فقال إني كنت ألبس هذا الخاتم واجعل فصه من داخل فرمى به ثم قال والله لا ألبسه أبدا فنبذ الناس خواتيمهم ولفظ الحديث ليحيى))[1]

ترجمہ:

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنھما سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے سونے کی ایک انگوٹھی بنوائی اور جب پہنتے تو اس کا نگینہ ہتھیلی کی طرف کرتے تو لوگوں نے بھی سونے کی انگوٹھیاں بنوائیں پھر آپ

[1] نیشاپوری، مسلم بن حجاج، **صحیح مسلم** (بیروت: دار إحیاء التراث العربی، ۲۰۰۳)، باب تحریم خاتم الذھب، ح 2091

ﷺ منبر پر بیٹھے اور اس کو اتار دیا، اور فرمایا کہ میں یہ انگوٹھی پہنتا تھا اور اس کے نگینہ کو اندر کی طرف رکھتا تھا، پھر اس کو پھینک دیا، اور فرمایا کہ اللہ کی قسم اس کو کبھی نہیں پہنوں گا، لوگوں نے بھی اپنی اپنی انگوٹھیاں پھینک دیں، حدیث کے الفاظ یحیٰ کے ہیں۔

((حدثنا أبو معمر حدثنا عبد الوارث حدثنا عبد العزيز بن صهيب عن أنس - رضي الله عنه - قال صنع (اصطنع) النبي ﷺ خاتما قال إنا اتخذنا خاتما ونقشنا فيه نقشا فلا ينقشن (ينقش) عليه أحد))-[1]

ترجمہ:

حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے منقول ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ایک انگوٹھی بنوائی، اور ارشاد فرمایا: ہم نے اس میں ایک مخصوص نقش کی ہے کوئی اور شخص اس پر نقش نہ کرائے۔

دوسری حدیث:

((حدثنا قتيبة بن سعيد حدثنا عبد العزيز عن أبي حازم قال أتى رجال إلى سهل بن سعد يسألونه عن المنبر فقال بعث رسول الله ﷺ إلى فلانة امرأة قد سماها سهل أن مري غلامك النجار يعمل لي أعوادا أجلس (يعمل لي أعوادا أجلس) عليهن إذا كلمت الناس فأمرته يعملها من طرفاء الغابة ثم جاء بها فأرسلت إلى رسول الله ﷺ بها فأمر بها فوضعت فجلس علي))-[2]

ترجمہ:

ابو حازم رحمہ اللہ سے روایت کرتے ہیں کہ کچھ لوگ سہل بن سعد کے پاس منبر کے متعلق دریافت کرنے گئے تو انہوں نے بیان کیا کہ رسول اللہ ﷺ نے فلاں عورت کو جس کا نام سہل نے لیا تھا کہلا بھیجا کہ اپنے بڑھئی لڑکے کو حکم دو کہ چند لکڑیاں بنادے جس پر میں بیٹھوں جب لوگوں سے بات کروں اس عورت نے اس لڑکے کو حکم دیا کہ غابہ کے جھاؤ کا منبر بنادے، چنانچہ وہ تیار کر کے لایا تو اس عورت نے رسول اللہ ﷺ کے پاس بھیج دیا، آپ ﷺ نے حکم دیا تو وہ رکھا گیا اور آپ ﷺ اس پر بیٹھے۔

[1] بخاری، **صحیح بخاری**، باب نقش الخاتم، کتاب الخاتم فی الخنصر، ح5872

[2] ایضا، باب النجار، ح2094

یہ تینوں حدیثیں عقد استصناع کے جواز کے طور پر ذکر کی جاتی ہیں اس لئے کہ پہلی، اور دوسری حدیث میں نبی اکرام ﷺ نے آرڈر دے کر انگوٹھی تیار کروائی اور تیسری حدیث میں منبر بنوانے کا ذکر ہے، یہ حدیثیں اس بارے میں اگرچہ صریح نہیں ہے کہ آپ ﷺ نے وعدہ کے طور پر یہ معاملات طے کیے تھے یا عقد استصناع کے طور پر لیکن تعامل مستمرہ سے یہی ظاہر ہوتا ہے کہ یہ عقد استصناع کے طور پر تھے۔

اجماع واستحسان سے استصناع کا ثبوت

اجماع واستحسان سے استصناع کا ثبوت اس طرح ہے کہ رسول اللہ ﷺ کے زمانہ سے لے کر آج تک استصناع کے جواز پر لوگوں کا اجماع ہے، استصناع میں چونکہ عقد کے وقت مبیع صانع (کاریگر) کے پاس موجود نہیں ہوتی ہے، قیاس کا تقاضہ یہ ہے کہ جائز نہ ہو کیونکہ معدوم کی بیع ہے، لیکن قیاس کو استحسان اور اجماع امت کی وجہ سے ترک کر دیا ہے، اس اجماع سے مراد اجماع عملی (یعنی تعامل الناس) ہے ورنہ پھر اعتراض لازم آئے گا کہ دیگر فقہاء کرام نے تو اس میں اختلاف کیا ہے۔

علامہ ابن الہامؒ لکھتے ہیں۔

"ولٰكناجوزنااستحسانا بالتعامل الراجع الى الاجماع العملى من لدن رسول الله ﷺ الى يوم"-[1]

ترجمہ: "لیکن ہم نے رسول اللہ ﷺ کے دور سے آج تک اجماع عملی کی وجہ سے اس کو استحسانا جائز قرار دیا ہے"۔

اس لئے کہ عہد نبوت سے لے کر آج تک ہر زمانہ اور ہر دور میں بغیر کسی نکیر کے لوگوں کا استصناع پر تعامل رہا ہے، جب کہ آپ ﷺ کا ارشاد ہے کہ:

((إن أمتي لا تجتمع على ضلالة))[2]ضعيف، ابو عیسیٰؒ نے اسے غریب کہا ہے۔

ترجمہ: "میری امت گمراہی پر جمع نہیں ہو سکتی" نیز آپ ﷺ نے فرمایا کہ:

((فما رأى المسلمون حسنا فهو عند الله حسن وما رأوا سيئا فهو عند الله سيئ))[3]ضعيف

---

[1] ابن الهمام، **فتح القدير**، باب السلم، 6/243

[2] ابن ماجہ، محمد بن یزید، **سنن ابن ماجہ** (القاهرة، دار إحياء الكتب العربية، سن ندارد)، باب السواد الأعظم، 2/1303

[3] أحمد بن حنبل، **مسند أحمد** (مؤسسة الرسالة، الطبعة الأولى: 2001) باب: مسند عبد الله بن مسعود، 6/84

ترجمہ: "مسلمان جسے بہتر سمجھیں وہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک بھی بہتر ہے، اور جسے برا سمجھیں وہ اللہ کے نزدیک بھی برا ہے"

نیز استصناع لوگوں کی ضرورت بھی ہے، کیونکہ کبھی انسان کو مخصوص ڈیزائن اور مخصوص صفت کی کسی چیز کی ضرورت ہوتی ہے اور وہ بازار میں نہیں ملتی ہے تو وہ استصناع کے طور پر وہ چیز بنوانے پر مجبور ہوتا ہے ،اب اگر استصناع کی اجازت نہ دی جائے تو لوگ حرج میں مبتلا ہو جائیں گے۔

علامہ کاسانی رحمہ اللہ لکھتے ہیں۔

" وأما جوازه، فالقياس: أن لا يجوز؛ لأنه بيع ما ليس عند الإنسان، لا على وجه السلم، وقد نهى رسول الله - صلى الله عليه وسلم - عن بيع ما ليس عند الإنسان، ورخص في السلم، ويجوز استحسانا؛ لإجماع الناس على ذلك؛ لأنهم يعملون ذلك في سائر الأعصار من غير نكر، وقد قال - عليه الصلاة والسلام -: «لا تجتمع أمتي على ضلالة» وقال - عليه الصلاة والسلام -: «ما رآه المسلمون حسنا؛ فهو عند الله حسن، وما رآه المسلمون قبيحا؛ فهو عند الله قبيح» والقياس يترك بالإجماع، ولهذا ترك القياس في دخول الحمام بالأجر، من غير بيان المدة، ومقدار الماء الذي يستعمل، وفي قطعه الشارب للسقاء، من غير بيان قدر المشروب، وفي شراء البقل، وهذه المحقرات كذا هذا؛ ولأن الحاجة تدعو إليه؛ لأن الإنسان قد يحتاج إلى خف، أو نعل من جنس مخصوص، ونوع مخصوص، على قدر مخصوص وصفة مخصوصة، وقلما يتفق وجوده مصنوعا؛ فيحتاج إلى أن يستصنع، فلو لم يجز؛ لوقع الناس في الحرج۔"[1]

ترجمہ:

اور جہاں تک استصناع کے جواز کا تعلق ہے تو قیاس کا تقاضہ یہ ہے کہ یہ بیع جائز نہ ہو اس لئے کہ یہ ایسی چیز کی بیع ہے کہ جو بیع کے وقت انسان کے پاس نہیں ہوتی اور نہ ہی یہ بیع سلم ہے، کہ جائز ہو کیونکہ رسول اللہ ﷺ نے معدوم چیز کی بیع سے منع فرمایا ہے سوائے بیع سلم کے جس میں رخصت عنایت فرمائی ہے۔ یہ استحسانا جائز ہے کیونکہ لوگوں کا اس پر اجماع ہے کیونکہ تمام ادوار میں لوگ اس بیع کا معاملہ بغیر کسی روک ٹوک کے کرتے رہے ہیں اور تحقیق آپ ﷺ نے فرمایا کہ میری امت گمراہی پہ اکھٹی نہیں ہو سکتی۔ اور ایک اور جگہ فرمایا کہ جس کو مسلمان اچھا سمجھیں پس وہ اللہ کے نزدیک بھی اچھا بن جاتا ہے

---

[1] کاسانی، **بدائع الصنائع**، 4/93

اور جس کو مسلمان قبیح سمجھیں وہ اللہ کے نزدیک بھی قبیح ہو جاتا ہے۔ اور اجماع کے مقابلے میں قیاس چھوڑ دیا جاتا ہے۔ اسی وجہ سے حمام میں نہانے کے معاملے میں قیاس کو چھوڑ دیا گیا ہے لہذا حمام میں غسل کیلئے جانے میں قیاس کو ترک کیا گیا ہے حالانکہ اس میں نہ پانی کی مقدار کا علم ہوتا ہے نہ وقت محدود ہوتا ہے یعنی مجہول ہوتا ہے ک اور اس طرح پانی کی شرکت میں بھی جائز ہے بغیر مشروب کی مقدار کے اس طرح کی خرید و فروخت میں اس طرح کے تمام لین دین ایسے ہی کیے جاتے ہیں کیونکہ اس کی ضرورت ہے اور انسان بعض دفعہ مخصوص جوتا یا موزہ بنوانے کا محتاج ہوتا ہے۔ اور تیار جوتا ویسا بہت کم ملتا ہے پس وہ کسی سے بنوانے کا محتاج ہوتا ہے اگر یہ ناجائز ہو تو لوگ حرج میں پڑیں گے۔

فقہاء کے نزدیک استصناع کا حکم

ائمہ ثلاثہ کا مسلک

ائمہ ثلاثہ یعنی امالک، امام شافعی، اور امام احمد بن حنبل رحمہم اللہ فرماتے ہیں کہ استصناع جائز نہیں ہے، ہاں اگر سلم کے شرائط اس میں متحقق ہو تو جائز ہے، لہٰذا الگ سے اس کو عقد ماننا جائز نہیں، اس لئے کہ استصناع کو بیع نہیں کہا جا سکتا ہے، کیونکہ اس میں مبیع معدوم ہوتی ہے اور نہ ہی اس کو اجارہ کہا جا سکتا ہے کیونکہ اس میں صانع اپنی ملک سے صنعت کاری کرتا ہے۔

دلیل:

ائمہ ثلاثہ رحمہم اللہ جو یہ کہتے ہیں کہ یہ کوئی الگ عقد نہیں ہے ان کی بنیادی دلیل یہ ہے کہ جس چیز پر عقد منعقد ہو رہا ہے یعنی معقود علیہ جس کے بنوانے کی فرمائش کی گئی ہے وہ ابھی تک وجود میں نہیں آیا، لہٰذا اگر ہم یہ کہیں کہ اس کی بیع ابھی ہو گئی ہے، عقد ہو گیا ہے تو معدوم کی بیع ہو گی اور معدوم کی بیع جائز نہیں۔

چنانچہ مفتی محمد تقی عثمانی لکھتے ہیں:

"وغير جائز عند الشافعية والمالكية ،والحنابلة جميعاً الاان يكون بطريق السلم بشروطه المعروفة،وذلک لانه لايصح بيعاً لكونه بيع ماليس عند البائع ولااجارة لان الصانع يصنع فى ملكة،فلايستقيم تقعيده على احدمن العقود المشروعة فلايجوز"-[1]

[1] عثمانی، محمد تقی، **فقہ البیوع**، (کراچی: مکتبہ معارف القرآن، 1428)، 1/585

ترجمہ:

اور یہ بیع تمام شوافع، مالکی اور حنابلہ کے ہاں جائز نہیں ہے مگر یہ کہ بیع سلم کے طریقے سے معروف شرائط کے مطابق ہو اور یہ اس لئے کہا کہ ایسی چیز کی بیع درست نہیں ہوتی جو کہ بائع کے پاس نہ ہو نہ ہی یہ اجارہ ہے کیونکہ اجارہ میں بنانے والا اپنی ملکیت میں اسے بناتا ہے پس یہ کسی بھی مشروع بیع پر منطبق نہیں ہوتی پس یہ ناجائز ہے۔

احنافؒ کا مسلک

فقہاء احناف رحمہم اللہ فرماتے ہیں کہ استصناع کا حکم یہ ہے کہ مستصنع (مشتری) کے لئے مبیع میں ملکیت ثابت ہو جاتی ہے، اور صانع (بائع) کے لئے بدل مبیع میں ملکیت ثابت ہو جاتی ہے مگر یہ ملکیت لازم نہیں ہوتی، یعنی جس وقت شرائط واوصاف ذکر کر کے معاملہ طے کیا جاتا ہے، اس وقت یہ عقد بیع غیر لازم ہوتا ہے، اس لئے کہ صانع (کاریگر) اور مستصنع (مطالبہ کرنے والا) دونوں کو رجوع کر کے معاملہ ختم کرنے کا اختیار رہتا ہے، یعنی عاقدین میں سے کوئی بھی عقد منسوخ کر سکتا ہے، اور صانع (کاریگر) کے کام شروع کرنے کے بعد بھی عاقدین یعنی صانع اور مستصنع دونوں کو اختیار رہتا ہے، چاہے عقد کو برقرار رکھیں یا عقد کو منسوخ کر دیں۔

علامہ کاسانی رحمہ اللہ لکھتے ہیں۔

" واماحکم الاستصناع فھو ثبوت الملک للمستصنع فی المبیعة -- وثبوت الملک للصناع فی الثمن ملکاًغیرلازم -- انه عقد غیر لازم قبل العمل فی الجانبین جمیعاًبلاخلاف حتی کان لکل واحد منھما خیار الاستصناع قبل العمل -- ان کل واحد منھما الفسخ ،وامابعد الفراع من العمل قبل ان یراء المستصنع فکذلک حتی کان للصانع ان یبیعه ممن شاء کذاذکر فی الاصل "[1]

ترجمہ:

اور استصناع کا حکم یہ ہے کہ مستصنع کی مبیع میں ملکیت کا ثبوت ہوتا ہے اور کاریگر کی ملکیت ثمن ہوتی ہے لیکن یہ ملکیت غیر لازم ہے کیونکہ یہ عقد ہی بغیر کسی اختلاف کے جانبین کے عمل سے پہلے غیر لازم ہوتا ہے یہاں تک کہ ان میں سے ہر ایک کو عمل سے پہلے یعنی (بنوانے یا نہ بنوانے) کا خیار ملتا ہے۔ یعنی ان میں

[1] کاسانی،، **بدائع الصنائع**،4/95

سے ہر ایک کو بیع فسخ (ختم) کرنے کا حق ہوتا ہے۔ اور اس طرح عمل کے بعد مستصنع کے دیکھنے سے پہلے بائع اس مبیع کو جس پر چاہے بیچ سکتا ہے۔

اور جب چیز تیار ہو جائے تو جب تک مستصنع (مشتری) اس کو نہ دیکھے اور اختیار نہ کرے تب تک صانع (کاریگر) کو اختیار رہے گا چنانچہ اگر وہ اس حالت میں بنی ہوئی چیز کسی اور کو فروخت کرنا چاہے تو فروخت کر سکتا ہے، لیکن صانع (کاریگر) جب چیز تیار کر کے مستصنع (مشتری) کے سامنے پیش کر دے گا تو اس وقت اس کے حق میں یہ عقد لازم ہو کر اس کا اختیار ختم ہو جائے گا۔

علامہ ابن نجیم[1] رحمہ اللہ لکھتے ہیں۔

"واما بعد ماراه فالاصح انه لاخيارللصانع بل إذاقبله المستصنعل أجبرعلى دفعه له"[2]

ترجمہ:

دیکھنے کے بعد اصل یہ ہے کہ صانع کے پاس اختیار نہیں ہوتا بلکہ جب مستصنع اس کو قبول کرے تو اس کو مبیع حوالہ کرنے پر مجبور کیا جائے گا۔

امام ابویوسف رحمہ اللہ کی ایک روایت یہ بھی ہے کہ عقد شروع سے لازم ہو جاتا ہے، عاقدین میں سے کسی کو بھی خیار رویت حاصل نہ ہو گا۔

مفتی محمد تقی عثمانی فقہ البیوع میں لکھتے ہیں:

"ولكن الذى يظهر ان اصحاب المجلة جعلوه عقداًلازماًمن البداية وليس بعداتمام العمل فقط،لانابايوسف رحمه الله تعالىٰ رويت فى لزوم العقد روايات مختلفة-۔ قال ابويوسف رحمه الله اولاً:تجيز المستصنع دون الصانع وہوروایة عن اصحابنا رحمہم الله تعالىٰ ثم رجع ابويوسف عن هذا،وقال لاخيار لواحد منهما بل يجبر الصانع على العمل ويجبر المستصنع على القبول"[3]

1نام عمر بن ابراہیم بن محمد ہے۔ لقب سراج الدین اور ابو حنیفہ الثانی ہے زین الدین ابن نجیم کے بھائی ہیں۔ فقہ حنفی میں میں اہل مصر کے بڑے فقیہ ہیں ان کی تصنیفات میں "النہر الفائق فی شرح الکنز الدقائق" اس تصنیف کی وجہ سے صاحب النہر سے معروف ہیں جو فقہ حنفی کے جزئیات میں سے ہے اور "اجابۃ السائل باختصار أنفع الوسائل" یہ دونوں فقہ حنفی کے متعلق ہیں۔

2ابن نجیم، **البحر الرائق**، 6/285

3العثمانی، فقہ البیوع، 1/591

ترجمہ:

لیکن ایسا لگتا ہے کہ مجلہ والوں نے اس کو ابتداء ہی سے عقد لازم قرار دیا ہے ایسا نہیں ہے کہ عمل کے تمام ہونے کے بعد لازم ہے اور پہلے نہیں کیونکہ امام ابویوسفؒ سے اس کے لازم ہونے کے بارے میں مختلف روایات منقول ہیں امام ابویوسفؒ نے ایک مرتبہ پہلے تو کہا کہ بنوانے والے کو تو خیار ہے لیکن بنانے والے کو خیار نہیں اور یہی روایت ہمارے ساتھیوں کی طرف سے بھی منقول ہے اور پھر ابویوسفؒ نے اس قول سے رجوع فرمایا اور ایک اور جگہ فرمایا ہے کہ کسی کو اختیار نہیں ہے بلکہ صانع کو بنانے پر مجبور کیا جائے گا اور بنوانے والے کو اسے قبول کرنے پر مجبور کیا جائے گا۔

مبیع تیار ہونے کے بعد کا حکم

پھر جب چیز تیار کر کے صانع (کاریگر) مستصنع (مشتری) کے سامنے پیش کر دے، تو اگر وہ چیز مطلوبہ اوصاف کے مطابق بنا دے تو پھر مشتری کو خیار رویت حاصل ہو گا کہ نہیں؟ اس میں فقہاء احناف رحمہم اللہ کے ہاں اختلاف ہے۔

امام ابو حنیفہؒ اور امام محمدؒ کی آراء

امام ابو حنیفہؒ اور امام محمدؒ فرماتے ہیں کہ جب صانع نے مطلوبہ چیز کو اوصاف کے مطابق بنا کر مستصنع (مشتری) کے سامنے پیش کر دی تو مستصنع کو خیار رویت ملے گا چاہے وہ چیز مطلوبہ اوصاف کے مطابق ہو جو عقد کے اندر رطے ہوا تھا یا نہ ہو بہر صورت مستصنع کو خیار رویت ملے گا، اس لئے کہ جس طرح دوسری بیوعات میں اگر کوئی شخص ایک ایسی چیز خریدے جس کو ابھی تک اس نے دیکھا نہ ہو تو اس کو دیکھنے کے بعد خیار رویت حاصل ہوتا ہے، اسی طرح اس معاملہ میں بھی مستصنع نے وہ چیز پہلی بار دیکھی، لہٰذا بیع کے عام قواعد کے مطابق اس کو خیار رویت حاصل ہو گا، چاہے تو لے اور چاہے تو نہ لے اور عقد کو فسخ کر دے یہی ظاہر روایت ہے۔

مفتی محمد تقی عثمانی صاحب لکھتے ہیں۔

"ثم المشهور من الفقهاء الحنفية ان عقد الاستصناع عقد غير لازم بمعنى ان لكل واحد من المتعاقدين الانفراد بالفسخ--- ولكن هل يلزم المستصنع قبول المصنوع ان جابه الصانع حسب المواصفات المطلوبه ؟فيه خلاف فقال انوحفيةومحمد رحمهماالله تعالیٰ للمشترى خيار الروية فيحق له ان يرده لانه اشترى مالم يره ولاخيار

للصانع حسب ظاہر الرواية وقال ابويوسف رحمه الله لاخيار لاحد منهماان جاءالصانع بالمصنوع على الصفة المشروطة"[1]

ترجمہ:

پھر فقہاءِ احناف سے جو مشہور ہے وہ یہ ہے کہ استصناع کا عقد غیر لازم یعنی متعاقدین میں سے ہر ایک کو فسخ کا اختیار ہے لیکن یہ سوال کہ اگر مطلوبہ چیز مطلوبہ اوصاف کے مطابق اگر صانع نے بنا دیا تو مستصنع پہ قبول کرنا واجب ہو گا یا نہیں اس بارے میں اختلاف ہے امام ابو حنیفہؒ اور امام محمدؒ فرماتے ہیں کہ خریدار کو خیار رؤیت حاصل ہے پس وہ اس کو رد کر سکتا ہے اور صانع کیلئے خیار نہیں ہے جب کہ امام ابویوسفؒ فرماتے ہیں کہ ان میں سے کسی کو اختیار نہیں ہو گا اگر کاریگر نے اس کو مشروط شرائط کے مطابق تیار کیا ہو۔ امام ابویوسفؒ فرماتے ہیں کہ اگر عقد کے وقت جن اوصاف کو ذکر کیا گیا تھا ان اوصاف کے مطابق چیز نہیں بنائی گئی پھر تو مستصنع (مشتری) کو خیار حاصل ہو گا، لیکن اگر ذکر کئے گئے اوصاف کے مطابق مطلوبہ چیز بنائی گئی تو مستصنع (مشتری) کو اسے قبول کرنا ہو گا، اس کو خیار رویت حاصل نہ ہو گا، کیونکہ یہ بڑی نقصان کی بات ہو گی کہ مستصنع کی فرمائش کی وجہ سے صانع (کاریگر) اپنے تمام وسائل مطلوبہ چیز کی تیاری پر لگادئے اس کے باوجود بلاوجہ مستصنع (مشتری) عقد فسخ کر دئے پھر یہ بھی ضروری نہیں جس قسم کی چیز (مستصنع) نے اپنے لئے بنوائی تھی وہ دوسرے کے لئے بھی کارآمد ہو، لہذا خیار رویت دینے میں صانع کاضرر ہے اس وجہ سے امام ابویوسف رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ اس کو خیار رویت حاصل نہ ہو گا۔

علامہ کاسانی رحمہ اللہ لکھتے ہیں۔

"(وجه) رواية أبي يوسف: أن الصانع قد أفسد متاعه وقطع جلده، وجاء بالعمل على الصفة المشروطة، فلو كان للمستصنع الامتناع من أخذه؛ لكان فيه إضرار بالصانع بخلاف ما إذا قطع الجلد ولم يعمل، فقال المستصنع: لا أريد؛ لأنا لا ندري أن العمل يقع على الصفة المشروطة أولا، فلم يكن الامتناع منه إضرارا بصاحبه؛ فثبت الخيار"۔[2]

ترجمہ:

---

[1] عثمانی، **فقہ البیوع**، 1/588

[1] عثمانی، محمد تقی، **اسلام اور جدید معاشی مسائل**، (لاہور: ادارہ اسلامیات، اشاعتِ سوم، 2007)، 4/66

[2] کاسانی، **بدائع الصنائع**: کتاب الاستصناع 4/96

امام ابو یوسفؒ کی دلیل یہ ہے کہ کہ بنانے والے نے اپنا سامان خراب کیا اور چمڑا کاٹ دیا اور مطلوبہ خصوصیات پر کام کیا اب اگر بنوانے والے کو مسترد کرنے کا اختیار دیا جائے تو اس میں بنانے والے کا نقصان ہے اس کے بر عکس اگر صانع نے صرف چمڑا کاٹا ہے اور کچھ بنایا نہیں ہے تو بنوانے والے کو اختیار ہو گا کہ وہ کہہ دے میں نہیں بنوانا چاہتا کیونکہ معلوم نہیں کہ آگے کام وہ مطلوبہ صفات پر کر سکے گا یا نہیں پس اسکے نہ بنوانے سے صانع کا کوئی نقصان نہیں ہے پس مستصنع کا خیار ثابت ہوا۔

مفتی بہ قول

بعض فقہاء کرام نے اس مسئلہ میں مفتی بہ قول امام ابو حنیفہؒ کا لکھا ہے جب کہ متاخرین فقہاء نے اس دور میں امام ابو یوسفؒ کے قول کو راجح اور مفتی بہ قرار دیا ہے پس دور حاضر میں امام ابو یوسفؒ کا فتویٰ راجح اور مفتی بہ ہے۔

چنانچہ فقہ البیوع میں لکھا ہے۔

"ولكن آخذ مدونومجلة الاحكام العدلية بقول اللزوم حسب ماجاء فى تنويرالابصاروغيره ،وبقول ابى يوسف رحمه الله تعالىٰ فى المستصنع لاخيار له بالرويةوعلى هذالاساس نصت المادة 392 من المجلة ماياتى"اذانعقدالاستصناع فليس لاحد العاقدين الرجوع ،واذالم يكن المصنوع على الاوصاف المطوبة المبنية كان المستصنع مخيرا"۔[1]

ترجمہ:

مجلۃ الاحکام کے مدونین نے لزوم کے قول کو لیا ہے جو کہ تنویر الابصار میں مذکور ہے اور امام ابو یوسفؒ کے قول کو لیا ہے کہ مستصنع کو خیار رؤیۃ حاصل نہیں ہے انہوں نے اس کے مقدمے میں کہا: کہ امام اعظم ابو حنیفۃؒ کے ہاں مستصنع کو رجوع کا اختیار ہے جب کہ امام ابو یوسفؒ فرماتے ہیں کہ جب مصنوع ان صفات کے مطابق تیار ہو جو صفات عقد کے وقت بیان کیے گئے تھے تو بنوانے والے کو رجوع کا خیار نہیں ہے اور حال یہ ہے کہ اس دور میں بہت سارے معاملات، جیسے بحری جہاز، توپ خانے وغیرہ کا بنوانا اسی طرح یعنی استصناع سے طے پاتے ہیں یہی وجہ ہے کہ استصناع اس دور کے مروجہ بڑے معاملات کا حصہ بنا ہے اگر ہم مستصنع کو فسخ کا خیار دیں تو اس سے بڑی بڑی مصلحتیں متاثر ہونگیں اور چونکہ استصناع کی دلیل عرف ہے

---

[1] عثمانی، فقہ البیوع 1/590

اور اس کو لوگوں کی عرف کی بنیاد پر سلم پر قیاس کیا جاتا ہے خلاف قیاس، پس دور حاضر کی مصلحت کو سامنے رکھتے ہوئے امام ابویوسفؒ کے قول یعنی مستصنع کو خیار فسخ نہیں، کو لینا لازم ہے اور اسی بنیاد پر مجلۃ کے مادہ نمبر 392 میں مندرجہ ذیل عبارت ہے کہ:

"وإذا انعقد الاستصناع ; فليس لأحد العاقدين الرجوع وإذا لم يكن المصنوع على الأوصاف المطلوبة المبينة كان المستصنع مخيرا."

ترجمہ: کہ جب استصناع منعقد ہو جائے تو متعاقدین میں سے کسی کو رجوع کرنے کا حق نہیں ہے اور اگر مصنوع مطلوبہ اوصاف پر نہ بنائی گئی ہو تب بنوانے والے کو رجوع اختیار ہے۔

تنویر الابصار میں ہے کہ:

"لا خيار للصانع بعد رؤية المصنوع له وهو الأصح"[1]

ترجمہ: "چیز بنوانے والے کے لیے شئی مصنوعہ دیکھنے کے بعد کوئی خیار نہیں ہو گا، یہی اصح بات ہے"

اس سلسلہ میں مفتی محمد تقی عثمانی وضاحت کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

جہاں امام ابو حنیفہ رحمہ اللہ اور ان کے شاگردوں کے درمیان اختلاف ہو وہاں عام طور سے فتویٰ امام ابو حنیفہ رحمہ اللہ کے قول پر دیا جاتا ہے۔ علامہ حلبیؒ اپنی کتاب میں لکھتے ہیں کہ:

"ثالثاً: إذا انفرد الإمام واتفق صاحباه يرجح قول الإمام على الغالب في العبادات."[2]

ترجمہ: تیسرا قاعدہ، جب امام صاحب الگ ہوں اور صاحبین متفق ہوں تو امام عبادات میں اکثر امام صاحب کے قول کو ترجیح دی جاتی ہے۔"

اس واسطے عام طور پر ہماری جو معروف فقہ کی کتابیں ہیں ان میں مسئلہ امام ابو حنیفہؒ کے قول کے مطابق یہ لکھا ہوا ہے کہ اگرچہ استصناع میں بیع ہو جاتی ہے لیکن مستصنع کو خیار رویت ملتا ہے، حالانکہ اس میں صانع کو زبردست نقصان کا سامنا کرنا پڑ سکتا ہے، وجہ یہ ہے کہ پہلے زمانہ میں جو استصناع ہوتا تھا وہ چھوٹے پیمانے پر تھا کہ کسی نے منبر بنوائی کسی نے الماری بنوائی اور کسی نے فرنیچر بنوا لیا، اب جو استصناع ہو رہا ہے، یہ بہت بڑے بڑے منصوبوں کا ہوتا ہے کوئی مل لگاتا ہے، تو اس کے لئے مشینری کا پلانٹ لگاتا ہے اور یہ مشینری کا پلانٹ لاکھوں روپے کا بنتا ہے اب جس کو آرڈر دیا ہوا تھا اس نے لاکھوں روپے خرچ کئے اور پلانٹ لگایا

---

[1] الحصكفي، محمد بن علي، **الدر المختار** (بيروت: دار الكتب العلمية، الطبعة الأولى، 2002)، 5/225

[2] الحاجة نجاح، الحلبي، **فقه العبادات على المذهب الحنفي** (الشاملة)، ص:17

اپنی پونجی لگادی، اب اگر کام کرانے والے کو فسخ عقد کا اختیار دے دیا جائے تو کام کرنے والے کی جان ومال پر کیا گزرے گی آپ نے توصرف دو بول بول دیئے کہ میں نہیں لیتا، اور دسرے کا سب کچھ لٹ گیا، لہذا اس صورت حال میں فتوی امام ابویوسف رحمہ اللہ کے قول پر ہی مناسب ہو گا۔

چنانچہ "مجلۃ الاحکام العدلیۃ[1]" میں علماء نے استصناع کے مسئلہ میں امام ابو حنیفہ رحمہ اللہ کے قول کے بجائے امام ابو یوسف کے قول پر فتویٰ دیا کہ یہ عقد لازم ہے، اب ضرورت ایسی شدید پیدا ہو گئی، کہ اب مالکیہ ،شافعیہ اور حنابلہ بھی امام ابویوسف رحمہ اللہ کے قول پر فتوی دینے پر مجبور ہیں اور وہ حضرات یہ کہتے ہیں کہ اس کے بغیر چارہ نہیں ہے ورنہ کوئی آدمی صنعت کا کام کرے گا ہی نہیں۔[2]

خلاصہ

اگرچہ نصوص سے بھی بیع استصناع کے بارے میں اشارات ملتے ہیں مگر بیع استصناع دور اول سے لوگوں کے تعامل کی وجہ سے جائز ہے ۔ اجماع واستحسان سے استصناع کا ثبوت اس طرح ہے کہ رسول اللہ ﷺ کے زمانہ سے لے کر آج تک استصناع کے جواز پر لوگوں کا اجماع ہے، استصناع میں چونکہ عقد کے وقت مبیع صانع (کاریگر) کے پاس موجود نہیں ہوتی ہے پس قیاس کا تقاضہ یہ ہے کہ جائز نہ ہو کیونکہ معدوم کی بیع ہے ۔لیکن قیاس کو استحسان اور اجماع امت کی وجہ سے ترک کر دیا گیا ہے، اس اجماع سے مراد اجماع عملی (یعنی تعامل الناس) ہے ورنہ پھر اعتراض لازم آئے گا کہ دیگر فقہاء کرام نے تو اس میں اختلاف کیا ہے۔

امام ابو یوسفؒ کے نزدیک اگر چیز مطلوبہ اوصاف پر بنائی گئی ہو تو مستصنع کو رجوع کرنے کا حق نہیں ملے گا جب کہ امام ابو حنیفہؒ مستصنع کے لئے خیار رؤیت کے قائل ہیں ۔ بعض فقہاء کرام نے اس مسئلہ میں مفتی بہ قول امام ابو حنیفہؒ کا لکھا ہے جب کہ متاخرین فقہاء نے اس دور میں امام ابو یوسفؒ کے قول کو راجح اور مفتی بہ قرار دیا ہے۔

پس دور حاضر میں امام ابو یوسفؒ کا فتویٰ راجح اور مفتی بہ ہے۔

---

[1] کاسانی، **بدائع الصنائع** 5 / 189 مزید دیکھئے مجلۃ الاحکام العدلیۃ

[2] عثمانی، محمد تقی، **اسلام اور جدید معاشی مسائل**، 4 / 67

باب دوم

بیع استصناع کے فقہی اصول واحکام

فصل اول بیع استصناع، سلم اور اجارہ میں فرق ومماثلت

فصل دوم بیع استصناع کی بنیاد پر بیع کی شرائط

فصل سوم بیع استصناع میں عقد وکالۃ کی حیثیت

فصل اول

بیع استصناع، سلم اور اجارہ میں فرق و مماثلت

اس فصل میں بیع استصناع، سلم اور اجارہ میں بنیادی فرق یہ ہے کہ استصناع میں کسی چیز کو مطالبے پر تیار کروایا جاتا ہے جس میں چیز کو تیار کرنے میں مطلوبہ میٹریل کو فراہم کرنا صانع کی ذمہ داری ہوتی ہے اور اجارہ میں اجیر کی صرف خدمات ہوتی ہیں باقی اشیاء مثلاً میٹریل وغیرہ کا بندوبست کرنا اس کی ذمہ داری نہیں ہوتی۔ بیع سلم اجناس میں ہوتی ہے اور اس میں ثمن کی ادائیگی اڈوانس میں کر دی جاتی ہے۔

بیع سلم کا مفہوم

بیع سلم فارورڈ عقد کی ایک قدیم شکل ہے۔ جس میں عقد کرتے وقت قیمت بھی ادا کر دی جاتی تھی اور سامان بعد میں حوالے کیا جاتا تھا۔ اس سودے میں فریقین طے شدہ مقدار اور معیار کی اشیا کی فراہمی کے لیے خاص وقت کا تعین کر لیتے ہیں۔ یہ بیع مؤجل کے برعکس ہے جس میں خریدار کو سامان پہلے فراہم کر دیا جاتا ہے اور قیمت بعد میں مقررہ تاریخ کو ادا کی جاتی ہے۔ حجاز کے فقہاء سلم یا سلف استعمال کرتے تھے۔ الاقناع میں ہے کہ:

"فصل في السلم ويقال له السلف يقال أسلم وسلم وأسلف وسلف والسلم لغة أهل الحجاز والسلف لغة أهل العراق قاله الماوردي"

ترجمہ: سلم کے بارے میں فصل، جس کو سلف بھی کہا جاتا ہے، کہا جاتا ہے کہ "اسلم وسلم اور اسلف و سلف"، علامہ ماوردیؒ نے کہا ہے کہ: "السلم "لغتِ حجاز ہے اور "السلف" اہل عراق کی زبان ہے۔"

جس کے لفظی معنی ہیں پیشگی ادائیگی اور وہ اس سے پیشگی ادائیگی کی فروخت مراد لیتے تھے۔ بغداد کے فقہا فارورڈ سودوں کے لیے زیادہ تر سلم کی اصطلاح استعمال کرتے تھے۔ چونک فوری ادائیگی پر آئندہ کی خریداری بائع کے لیے دین بن جاتی ہے اس لیے اس سودے کو سلف کہتے ہیں اور اس کا مطلب کسی فائدے کے بغیر قرض دینا ہے۔ چونکہ اسلامی مالیات کی ابھرتی ہوئی تحریک میں سلم کی اصطلاح کو ہی متعین نوعیت کے فارورڈ سودے کے معنوں میں استعمال کیا جاتا ہے۔ سلم کی اجازت خود آنحضرت سلم نے دی ہے اور اس بارے میں سلف اور معاصر فقہاء میں کوئی اختلاف نہیں حالانکہ شریعت کا عمومی اصول

ہے کہ جو شے بائع کے قبضے میں نہ ہو فروخت نہیں کی جاسکتی۔ مکہ سے ہجرت کر کے نبی کریم ﷺ مدینہ آئے جہاں لوگ کھجوروں کی قیمت پیشگی ادا کیا کرتے تھے جس کے عِوض میں ان کو ایک، دو یا تین سال میں کھجوریں ملتی تھیں لیکن اس سودے میں کھجوروں کے معیار مقدار یا وزن یا حوالگی کے وقت کا تعین نہیں ہوتا تھا۔ آنحضرت ﷺ نے حکم دیا جو بھی پیشگی سودے کے لیے رقم اور کرے، وہ معلوم نرخ، مقدار اور وزن کے ساتھ معینہ قیمت اور حوالگی کے وقت کے ساتھ معاملہ کرے۔ اس اجازت کی منطق، جیسا کہ ڈاکٹر ایس ایم حسن الزمان [1] نے بیان کیا، یہ ہے بتایا جاتا ہے کہ یہ رواج، نئی کی فرمود و ترمیم کے ساتھ آپ سال کی زندگی کے دوران اور بعد میں جاری رہا۔ بعد میں فقہاء نے متفقہ طور پر اسے تجارت کا جائز طریقہ قرار دیا۔ بیع سلم کے دائرے میں جو اشیاء آتی ہیں ان سے ظاہر ہوتا ہے کہ اس سے کھیتوں اور باغات کے مالکان کو فائدہ ہوتا ہے۔ مثال کے طور پر مدینہ میں گندم، جو کھجوریں اور انگور کاشت کیے جاتے تھے۔ شام کی فتح کے بعد زیتون اور خشک بڑے انگور بھی اس میں شامل ہو گئے۔ چند مثنیات کو چھوڑ کر فقہا نے علم کے لیے جائز اشیاء کی فہرست میں اضافہ کیا ہے۔ ان میں وہ تمام اشیاء آجاتی ہیں جن کے معیار اور مقدار کا ٹھیک ٹھیک تعین کیا جاسکتا ہو۔ [2]

سلم اور استصناع میں فرق

عقد استصناع اور عقد سلم دونوں میں شئ معدوم کی بیع ہوتی ہے، اور تعامل الناس اور ضرورت کی وجہ سے ان دونوں عقدوں میں شئ معدوم کی خرید و فرخت کی اجازت دی گی ہے، اور دونوں عقدوں میں سے ہر ایک میں ثمن کا متعین ہونا اور مبیع کی جنس، قسم، مقدار اور صفت کا متعین ہونا لازم ہے۔

چند چیزوں میں دونوں عقدوں کے درمیان فرق ہے۔

(1) عقد سلم میں رأس المال یعنی ثمن کا مکمل طور پر نقد ادا کرنا ضروری ہے اور مجلس عقد میں ثمن پر قبضہ کرنا بھی ضروری ہے جب کہ عقد استصناع میں ثمن کا مکمل طور پر نقد ادا کرنا ضروری نہیں چاہے سارا ثمن

---

[1] ڈاکٹر ایس ایم زمان ایک معروف اسکالر، تاریخ دان اور سماجی مصلح ہیں۔ آپ اسلامی نظریاتی کونسل کے چیئرمین رہے ہیں جو مقننہ کو اسلامی قوانین سے متعلق امور پر مشاورت فراہم کرنے والا ایک دستوری ادارہ ہے۔ آپ نیشنل انسٹی ٹیوٹ آف ہسٹاریکل اینڈ کلچرل ریسرچ کے سربراہ اور اسلامک ریسرچ انسٹی ٹیوٹ بین الاقوامی اسلامی یونیورسٹی اسلام آباد کے ڈائریکٹر جنرل رہے۔

[2] آئی اوفی 5-2004 می 163، 112، اسٹینڈرڈ برائے علم دفعہ 2/2 نیز دیکھئے این جر، 1998-سال 86.85-

پیشگی ادا کر دے یا کچھ ثمن ادا کر دے اور باقی بعد میں ادا کر دے یا سارا ثمن بعد میں ادا کرے یعنی عاقدین کے رضامندی سے جیسا طے ہو جائے ویسا ہی عمل کرنا جائز ہے۔[1]

(2)عقد سلم میں خیار شرط کا ثبوت نہیں ہوتا بلکہ عقد کے وقت سے لازم ہو جاتا ہے، اس میں کسی کو خیار نہیں ہوتا اور عقد استصناع غیر لازم ہوتا ہے، اور اس میں عقد کے بعد عمل سے پہلے خیار ثابت ہوتا ہے۔[2]

(3)عقد سلم میں مسلم فیہ یعنی مبیع کا بازار میں فی الجملہ موجود ہونا ضروری ہے، جب کہ عقد استصناع میں شئ مصنوع کا بازار میں ہر وقت موجود ہونا ضروری نہیں ہے۔

(4)عقد سلم میں مبیع کا ان اشیاء میں سے ہونا ضروری ہے جن کو وصف کے ذریعہ منضبط کیا جاسکتا ہو، جیسے مکیلات موزنات، مزروعات، اور معدودات متقاربہ، اور جن اشیاء کو وصف کے ذریعہ منضبط نہیں کیا جاسکتا ہے ان میں بیع سلم جائز نہیں، جیسے، پلاٹ، مکان، دوکان، وغیرہ جب کہ عقد استصناع ان تمام اشیاء میں جائز ہے، بشرطیکہ لوگوں کے درمیان ان میں تعامل ہو۔

(5)عقد سلم ہر چیز کی ہو سکتی ہے چاہے اسے تیار کرنے کی ضرورت ہو یا نہ ہو، جب کہ استصناع ہمیشہ ایسی چیز پر ہوتا ہے جسے تیار کرنے کی ضرورت ہو یعنی اس میں کاریگری کا ہونا ضروری ہے۔

(6)عقد سلم ایسی چیزوں میں جائز ہے جس کا لوگوں کے درمیان تعامل ہے، اور ایسی چیزوں میں بھی جائز ہے جس کا لوگوں میں تعامل نہیں ہے، جب کہ عقد استصناع صرف ایسی چیزوں میں جائز ہے جس میں عقد کرنے کا لوگوں کے درمیان تعامل ہے، اور ایسی چیزوں میں جائز نہیں ہے جس کا لوگوں میں تعامل نہیں ہے۔[3]

اجارہ کا مفہوم

اسلامی مالکاری کے ماہرین اور معاصر فقہاء کی رائے میں شرعی اصولوں سے مطابقت رکھنے والے مالکاری نظام استوار کرنے کے لیے اجارہ یعنی کرایہ داری کا نظام سود کے ایک اہم متبادل کی حیثیت رکھتا ہے۔ علماء اور فقہاء کا اجارہ کے جواز پر اجماع ہے۔

---

[1] الباني، سليم رستم، **شرح المجله**، (بيروت: دار الكتب العلمية، طبعة ثانيه 1401ھ)1، 221/

[2] الزحيلي، وَهبة بن مصطفى، **الفقه الإسلامي وأدلته** (دمشق: دار الفكر، الطبعة الرابعة، 1428ھ)، 4/399

[3] ایضاً، 4/410

فقہ المعاملات میں لکھا ہے کہ:

"إتفق جمهور الفقهاء على جواز عقد الإجارة ولم يخالف في جوازها إلا طائفة من المتأخرين كأبي بكر الأصم و إسماعيل ابن علية و الحسن البصري و القاشاني و النهرواني و ابن كيسان فإنهم لم يجيزوه"[1]

ترجمہ:

جمہور فقہاء کا عقدِ اجارہ کے جواز پر اتفاق ہے اور اس کے جواز کے بارے میں اختلاف کرنے والا ایک ہی گروہ ہے، جیسے ابو بکر اصم، اسماعیل بن علیۃ، حسن بصری، قاشانی، نہروانی، اور ابن کیسان، کیونکہ بے شک وہ اس کی اجازت نہیں دیتے ہیں۔

قرآن پاک کی دو آیات عمومی لحاظ سے اجارے کے جواز کی دلالت کرتی ہیں۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

﴿فَإِنْ أَرْضَعْنَ لَكُمْ فَآتُوهُنَّ أُجُورَهُنَّ﴾[2]

ترجمہ: اگر تمہاری (طلاق شدہ) بیویاں دودھ پلائیں تمہارے لئے (تمہارے بچے کو) تو ان کو ان کی اجرت دو۔

﴿قَالَتْ إِحْدَاهُمَا يَاأَبَتِ اسْتَأْجِرْهُ إِنَّ خَيْرَ مَنِ اسْتَأْجَرْتَ الْقَوِيُّ الْأَمِينُ- قَالَ إِنِّي أُرِيدُ أَنْ أُنْكِحَكَ إِحْدَى ابْنَتَيَّ هَاتَيْنِ عَلَى أَنْ تَأْجُرَنِي ثَمَانِيَ حِجَجٍ فَإِنْ أَتْمَمْتَ عَشْرًا فَمِنْ عِنْدِكَ وَمَا أُرِيدُ أَنْ أَشُقَّ عَلَيْكَ سَتَجِدُنِي إِنْ شَاءَ اللَّهُ مِنَ الصَّالِحِينَ﴾[3]

ترجمہ:

"ان میں سے ایک نے کہا: ابا جان، اسے ملازم رکھ لیجئے اس لیے کہ بہترین ملازم وہی ہوتا ہے جو طاقتور اور امانت دار ہو (اس پر حضرت شعیبؑ نے) کہا: میں چاہتا ہوں کہ اپنی دو میں سے ایک میں سے تمہارا نکاح کر دوں اس شرط پر کہ تم آٹھ سال میری ملازمت کرو، اگر تم دس سال پورے کر دو تو تم پر موقوف ہے اور میں تمہیں تکلیف میں ڈالنا نہیں چاہتا تم مجھے ان شاء اللہ صالح لوگوں میں سے پاؤ گے"

---

[1] مجموعة من المؤلفين، فقه المعاملات، (مكتبة الشاملة) 1/84

[2] الطلاق:6

[3] القصص، 26/27

حدیث اور سنت رسول سے بھی اجارہ کے جواز کے واضح ثبوت ملتے ہیں۔ آپ ﷺ کا یہ حکم قابل ذکر ہے کہ:

((قال رسول الله صلى الله عليه وسلم:"أُعطوا الاجير أجره قبل أن يجف عرقه))[1] ضعيف

ترجمہ: رسول اللہ ﷺ نے فرمایا؛ مزدور کی مزدوری اس کا پسینہ خشک ہونے سے پہلے ادا کرو۔

اسی طرح زمین کو کرایہ پر دینے، مزدوری واضح طور پر طے کرنے وغیرہ کے بارے میں احکامات حدیث میں موجود ہیں۔

الاجارۃ

"(الإجارة) الأجرة على العمل وعقد يرد على المنافع بعوض"[2]

ترجمہ: عمل پر اجرت اور عقد کو کہتے ہیں جو کسی عوض کیلئے منافع پر کیا جاتا ہے۔

لغوی اعتبار سے لفظ "اجارہ"، الاجر سے ماخوذ ہے جس کا مطلب ہے: صلہ، بدلہ کسی چیز کی قیمت، معاوضہ یا عوضانہ۔ ایک عقد کے لحاظ سے اجارہ کا مطلب کی اثاثہ کو کرائے کے عوض حاصل کرنا ہے تا کہ اس کی منفعت سے استفادہ کیا جا سکے۔ یہ جنت کی کرایہ داری پر بھی محیط ہے جس کے تحت اجرت کے عقد کی صورت میں طے شدہ مزدوری کے عوض کسی کے لیے کوئی کام کیا جاتا ہے۔ اسلامی قانون کاروبار کے تحت اجارہ طے شدہ اور جائز معاوضے، صلے یا کرائے کے عوض مخصوص اثاثہ جات کے معلوم اور مجوز حق استعمال یا کسی سے خدمت کے حصول کا کسی مقررہ وقت کے لیے معاہدہ ہے۔ بالفاظ دیگر اجارہ سے مراد چیز کے استعمال کا مستقل عقد ہوتا ہے جس کا معاوضہ اثاثہ جات کے اجارہ میں کرایہ اور انسانی خدمات کے سلسلے میں مزدوری ہوتا ہے۔

اجارہ اور استصناع میں فرق

عقدِ اجارہ میں خام مال گاہک کی طرف سے مہیا کیا جاتا ہے، اور بنانے والے سے صرف اس کی مہارت اور محنت مطلوب ہوتی ہے، جس پر اسے متعین اجرت دی جاتی ہے، جب کہ عقدِ استصناع میں خام مال بنانے

---

[1] ابن ماجہ، ابو عبد اللہ محمد بن یزید، **سنن ابن ماجہ**، باب: أَجْرِ الأُجَرَاءِ، ح:2443

[2] إبراهيم مصطفى-أحمد الزيات-حامد عبد القادر-محمد النجار، **المعجم الوسيط**، 3/203

والے کی طرف سے ہوتا ہے اور وہ خود اپنی طرف سے خام مال مہیا کرنے کی ذمہ داری قبول کرتا ہے، جس سے وہ مطلوبہ چیز بنا کر دیتا ہے اور اگر اس کے پاس خام مال موجود نہ ہو، تو اس کی ذمہ داری ہوتی ہے کہ وہ خود خام مال مہیا کرے اور اس سے چیز بنا کر دے، اس فرق کی مثال یہ ہے کہ اگر کوئی شخص درزی کو اپنی طرف سے کپڑا مہیا کرے اور درزی سے کپڑے سلوائے، اور اس پر متعین اجرت دے، تو یہ عقدِ اجارہ کہلائے گا، اور اگر وہ شخص کپڑا مہیا نہ کرے، بلکہ کپڑے کی صفات بیان کرے اور یہ کہے کہ مجھے فلاں نمونہ کے کپڑے بنا کر دے، اور درزی اس بات کو قبول کرے اور اپنی طرف سے کپڑا مہیا کر کے کپڑے تیار کر کے دے، تو یہ عقدِ استصناع کہلائے گا۔ ذیل میں ان دونوں کے فرق کو نقاط میں بیان کیا جارہا ہے۔

(1) استصناع میں صانع خود اپنے خام مال سے چیز تیار کرنے کی ذمہ داری قبول کرتا ہے، لہٰذا معاہدہ اس بات کو بھی شامل ہوتا ہے کہ اگر تیار کرنے والے کے پاس میٹریل نہیں ہے، تو وہ میٹریل حاصل کرے اور مطلوبہ سامان بنائے، لیکن اگر میٹریل مستصنع (مشتری) کی جانب سے مہیا کرایا گیا اور صانع سے صرف اس کی محنت اور مہارت مطلوب ہے تو یہ معاہدہ استصناع نہیں ہو گا، بلکہ عقد اجارہ ہو جائے گا۔[1]

(2) اجارہ میں یہ ضروری ہے کہ اجرت معقود علیہ کی جنس میں سے نہ ہو جیسے رہائش کے بدلے رہائش جب کہ استصناع میں اجرت شئ مصنوع سے منفعت بھی ہو سکتا ہے۔

جیسے کہ (بی، او، ٹی Build, Operate, Transfer) میں ہوتا ہے یہاں پر قفیز الطحان[2] کا اشکال ذہن میں آسکتا ہے، اس کا جواب یہ ہے کہ استصناع میں صانع کا عمل اگرچہ ملحوظ ہوتا ہے لیکن محل عقد نہیں ہوتا محل عقد شئ مصنوع ہوتا ہے، اگر صانع کا عمل محل عقد ہوتا تو یہ جائز نہ ہوتا پس جب صانع کا عمل محل عقد نہیں تو یہ قفیز الطحان میں نہیں آتا۔ مفتی محمد تقی عثمانی لکھتے ہیں۔

"وعمل الصانع وان کان ملحوظاًفی العقد فانه لیس محلاًللعقد---------"[3]

[1] عثمانی، **اسلام اور جدید معاشی مسائل**، 5/155، **فقہ البیوع**، 1/585

[2] کسی شخص کو اجرت پر رکھنا کہ وہ آٹا پیسے گا اور اس کی اجرت اسی آٹے میں سے ہو گی قفیز الطحاں کہلاتا ہے اور یہ ناجائز ہے۔

[3] عثمانی، محمد تقی، بحوث فی قضایا فقہیۃ معاصرۃ (دمشق: دار القلم، الطبعۃ الثانیۃ، 2003ء)، 2/142 مزید دیکھئے **المعاییر الشرعیۃ** 3/300

ترجمہ:

استصناع میں صانع کا عمل اگرچہ ملحوظ ہوتا ہے لیکن محل عقد نہیں ہوتا، محل عقد شئ مصنوع ہوتا ہے اگر صانع کا عمل محل عقد ہوتا تو یہ جائز نہ ہوتا۔ پس جب صانع کا عمل محل عقد نہیں تو یہ قفیز الطحان میں نہیں آتا۔ اور اسی وجہ سے یہ اجارہ سے مختلف ہے۔

خلاصہ

بیع سلم فارورڈ عقد کی ایک قدیم شکل ہے۔ جس میں عقد کرتے وقت قیمت بھی ادا کر دی جاتی تھی اور سامان بعد میں حوالے کیا جاتا تھا۔ اس سودے میں فریقین طے شدہ مقدار اور معیار کی اشیا کی فراہمی کے لیے خاص وقت کا تعین کر لیتے ہیں۔ یہ بیع مؤجل کے برعکس ہے جس میں خریدار کو سامان پہلے فراہم کر دیا جاتا ہے اور قیمت بعد میں مقررہ تاریخ کو ادا کی جاتی ہے۔ حجاز کے فقہاء سلم یا سلف استعمال کرتے تھے۔

لغوی اعتبار سے لفظ "اجارہ"، الاجر سے ماخوذ ہے جس کا مطلب ہے: صلہ، بدلہ کسی چیز کی قیمت، معاوضہ یا عوضانہ۔ ایک عقد کے لحاظ سے اجارہ کا مطلب کی اثاثہ کو کرائے کے عوض حاصل کرنا ہے تاکہ اس کی منفعت سے استفادہ کیا جاسکے۔ اسلامی مالکاری کے ماہرین اور معاصر فقہاء کی رائے میں شرعی اصولوں سے مطابقت رکھنے والے مالکاری نظام استوار کرنے کے لیے اجارہ یعنی کرایہ داری کا نظام سود کے ایک اہم متبادل کی حیثیت رکھتا ہے۔ علماء اور فقہاء کا اجارہ کے جواز پر اجماع ہے۔

بیع استصناع، سلم اور اجارہ میں بنیادی فرق یہ ہے کہ استصناع میں کسی چیز کو مطالبے پر تیار کروایا جاتا ہے جس میں چیز کو تیار کرنے میں مطلوبہ میٹریل کو فراہم کرنا صانع کی ذمہ داری ہوتی ہے اور اجارہ میں اجیر کی صرف خدمات ہوتی ہیں باقی اشیاء مثلاً میٹریل وغیرہ کا بندوبست کرنا اس کی ذمہ داری نہیں ہوتی۔ بیع سلم اجناس میں ہوتی ہے اور اس میں ثمن کی ادائیگی اڈوانس میں کر دی جاتی ہے۔

فصل دوم

بیع استصناع کی بنیاد پر بیع کی شرائط

عقد استصناع کی شرائط

عقد استصناع درست ہونے کے لئے درج ذیل شرائط کا ہونا ضروری ہے۔

(1) مصنوع (جو چیز بنوائی جارہی ہے) کی جنس، نوع، مقدار، اور اس کے مطلوبہ اوصاف کی وضاحت ہو، مثلاً یہ کہ آرڈر دینے والا سامان کی جنس (یعنی کونسی چیز بنائے گا) اس کی نوعیت (کہ کس قسم کے اور کس کمپنی کے میٹریل کی چیز بنائے گا) صفت (کہ کس کوالٹی کی چیز اعلیٰ، متوسط، یا معمولی بنائے گا) اس کی مقدار وزن سائز اور ہر اس چیز کی مکمل وضاحت کر دے، جو مطلوبہ سامان میں اس کے پیش نظر ہے، جس کے بعد میں نہ کوئی ابہام رہے اور نہ ہی بعد میں اختلاف اور نزاع کی نوبت آئے۔[1]

علامہ کاسانی رحمہ اللہ لکھتے ہیں:

"وأما شرائط جوازه (فمنها) : بیان جنس المصنوع، ونوعه وقدره وصفته؛ لأنه لا یصیر معلوما بدونه."-[2]

پس اس کی جائز ہونے کی شرائط میں سے مصنوع کا جنس اس کی نوع، قدر، اور خوبیوں کو واضح بیان کرنا ہے کیونکہ اس کے بغیر مطلوبہ چیز کے بارے میں بعد میں تنازعہ کھڑا ہونے کا خدشہ ہے۔

(2) استصناع ان اشیاء میں ہو سکتا ہے جن میں کاریگری کو دخل ہو، اور جن اشیاء میں کاریگری کو دخل نہ ہو جیسا کہ گندم، پھل، چاول، گوشت، اور سبزیاں وغیرہ تو ان میں استصناع درست نہیں ہو گا۔

(3) وہ خام میٹریل جس سے شئ مطلوبہ تیار کی جائے گی وہ صانع (بائع) کا ہو گا، اگر وہ خریدار کا ہو تو یہ عقد اجارہ ہو گا نہ کہ عقد استصناع۔

(4) مصنوع (یعنی جو چیز بنوائی جاری ہو) ان اشیاء میں سے ہو، جس میں لوگوں کے درمیان استصناع کا تعامل ہو، مثلاً، لوہے، سیسے، تانبے اور شیشے کے برتن، موزے، جوتے، لوہے کے لگام جانوروں کے لئے

---

[1] جماعۃ من الفقہاء، **الموسوعۃ الفقہیۃ الکویتیۃ**، 8/169

[2] کاسانی، **بدائع الصنائع**، کتاب الاستصناع 4/95

، چھری، تیر اور ہر قسم کے ہتھیار وغیرہ، پہلے زمانہ میں چونکہ کپڑوں میں استصناع جائز نہیں تھا موجودہ دور میں ان میں استصناع کا تعامل ورواج ہے، لہٰذا اس میں بھی استصناع جائز ہو گا۔ وھبۃ الذحیلی رحمہ اللہ لکھتے ہیں۔

"ويصح في عصرناالحاضر الاستصناع في الثياب لجريان التعامل فيه ،والتعامل يختلف ،بحسب الاذمنة والامكنة"[1]

ترجمہ: ور ہمارے دور میں کپڑوں میں بھی استصناع درست ہے کیونکہ اس میں بھی تعامل ہے اور تعامل الناس زمانہ اور جگہوں کی اعتبار سے مختلف ہوتا ہے

(4)عقد استصناع ان چیزوں میں جاری ہو گا، جن کو اوصاف کے ذریعہ متعین کیا جاسکتا ہو، اگر کوئی ایسی چیز ہو، جسے اوصاف کے ذریعہ متعین کرنا ممکن نہ ہو، تو ان میں استصناع جاری نہیں ہو گا، مثلاً وہ چیزیں جو عددًا فرخت ہوتی ہوں اور ان کے سائز اور وزن میں تفاوت ہو۔

(5)استصناع میں مصنوع کی حوالگی کی مدت کی تعین کے سلسلہ میں فقہاء احناف رحمہم اللہ کے ہاں اختلاف ہے، حضرت امام ابو حنیفہ رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ اگر استصناع میں مدت ذکر کی جائے تو استصناع باقی نہیں رہے گا، بلکہ عقد سلم بن جائے گا، جب کہ امام ابو یوسف رحمہ اللہ اور مام محمد رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ مدت کی تعین سے عقد استصناع پر کوئی اثر نہیں پڑے گا چاہے مدت کا تعین ہو یا نہ ہو، بہر صورت استصناع رہے گا۔ علامہ کاسانی رحمہ اللہ علیہ لکھتے ہیں۔

"(ومنها) : أن لا يكون فيه أجل، فإن ضرب للاستصناع أجلا؛ صار سلما حتى يعتبر فيه شرائط السلم---"[2]

ترجمہ:

اور اس کی شرائط میں سے یہ ہے کہ کوئی مدت مذکور نہ ہو اگر مدت مذکور ہو تو استصناع میں تو وہ سلم میں تبدیل ہو جائے گی یہاں تک کہ اس میں سلم کی شرائط کا اعتبار ہو گا جو کہ بدل کا مجلس میں قبضہ کرنا اور کسی ایک کو بھی اختیار نہیں ہو گا جب صانع اس چیز کو مذکورہ شرائط کے مطابق حوالہ کرے اور یہ ابو حنیفہؒ کا

---

[1] الزحیلی، **الفقہ الاسلامی وادلتہ**، 395/4

[2] کاسانی،، **بدائع الصنائع**، 94/4

قول ہے۔ جب کہ امام ابو یوسفؒ اور امام محمدؒ فرماتے ہیں کہ یہ شرط نہیں ہے بلکہ یہ استصناع ہی ہے ہر حال میں چاہے اس میں مدت ذکر کی ہو یا نہیں۔

راجح قول:

علماء نے اس دور میں امام ابو یوسف اور محمد رحمہم اللہ ہی کے قول کو ترجیح دی ہے، کیونکہ مدت کا تعین نہ ہونے کی صورت میں صانع (بائع) کی طرف سے زیادہ تاخیر اور خریدار کی طرف سے زیادہ جلدی کا مطالبہ ہو سکتا ہے، اور مدت کی تعین کی صورت میں اس اختلاف ونزاع کا اندیشہ کم ہے۔ ڈاکٹر وہبۃ الزحیلی رحمہ اللہ لکھتے ہیں۔

"وقال الصاحبان :ليس هٰذابشرط والعقداستصناع على كل حال---"1

ترجمہ:

اور صاحبین یعنی ابو یوسفؒ و محمدؒ فرماتے ہیں کہ یہ شرط نہیں اور عقد استصناع ہی ہو گا چاہے مدت اس میں مذکور ہو یا نہ ہو۔ کیونکہ یہی عادت چلی آ رہی ہے کہ مدت متعین کیجاتی ہے پس تو یہ شرط درست ہو گی۔ اور یہ قول عملی زندگی اور لوگوں کی ضروریات سے بھی ہم آہنگ ہے، پس یہی اولیٰ ہے۔

اور شرح المجلۃ میں ہے۔

" كل شى تعومل استصناعه يصح فيه الاستصناع على الاطلاق)ثم ماورالتعامل فى استصناعه سواء كان موجلاًالى شهر اوازيد،اولم يكن موجلاً--ولايخرجه عن كونه استصناعا،وهو قول الامامين وعليه مشت هذه المادة لكونه ارفق"2

ترجمہ:

ہر وہ شے جس میں استصناع کا معمول ہو تو اس میں استصناع مطلقاً جائز ہے پھر چاہے وہ ایک مہینہ یا اس سے زیادہ کی تاریخ پر کیوں نہ ہو یا پھر تاخیر ہی نہ ہو تو اس کو استصناع سے نہیں نکالتا اور یہی امامین کا قول ہے اور یہ معاملہ اسی کے مطابق ہو گا کیونکہ یہ سب سے اچھا ہے۔3

---

1 الزحیلی، **الفقہ الاسلامی وادلتہ**، 4/396

2 البنانی، **شرح المجلہ**، 389

3 عثمانی، محمد تقی، **فقہ المعاملات**، (کراچی؛ ادارۃ المعارف، الطبعۃ الثالثۃ، 2001) 1/286

عقد استصناع کی انتہاء

احناف کے یہاں عقد استصناع دو چیزوں سے ختم ہو جاتا ہے، ایک تو یہ کہ وہ منصوبہ اور کام مکمل ہو جائے شئ مصنوع یعنی صانع جس چیز کو بنا رہے ہیں وہ مستصنع (خریدار) کے حوالہ کر دی جائے، مستصنع اس کو قبول کر بھی لے، اور کاریگر ثمن پر قبضہ کر لے، جب صانع نے ملے ہوئے آرڈر کے مطابق سامان تیار کر کے مستصنع کے حوالہ کر دیا اور مستصنع نے ثمن ادا کر کے شئ منصوع (جس چیز کو بنایا جارہا ہوں) پر قبضہ کر لیا تو عقد استصناع مکمل ہو گیا، ہاں اگر مطلوبہ چیز اوصاف کے مطابق نہ ہو تو اس صورت میں خریدار کو خیار ملے گا۔

فتح القدیر میں ہے:

"ينتهى الاستصناع بتمام الصنع،وتسليم العين ،وقبولها،وقبض الثمن ،كذلك ،ينتهى الاستصناع بموت احد العاقدين،لشبة بالاجارة"[1]

ترجمہ:

دوسری چیز جس سے عقد استصناع مکمل ہو جاتا ہے، وہ عاقدین میں سے کسی ایک کی موت ہے، اگر، عاقدین (صانع اور مستصنع) میں سے کوئی مر گیا تو بھی عقد استصناع ختم ہو جائے گا، احناف نے اس کو قیاس کیا ہے اجارہ پر کہ اجارہ متعاقدین میں سے کسی ایک کی موت کی وجہ سے ختم ہو جاتا ہے۔

"انمايبطله بموت الصانع لشبة بالاجارة"[2]

ترجمہ: بے شک صانع کی موت سے بیع استصناع باطل ہو جاتی ہے۔

جب کہ امام مالکؒ، امام شافعیؒ، اور امام احمدؒ بن حنبلؒ وغیرہ کے نزدیک عاقدین (صانع اور مستصنع) میں سے کسی ایک کی انتقال کی صورت میں عقد استصناع ختم نہیں ہو گا، کیونکہ ان کے نزدیک اجارہ میں اگر مستاجر کا انتقال ہوا ہے، تو اس کے ورثاء اس کی اجرت ادا کریں گے، اور اگر موجر کا انتقال ہوا ہے تو مستاجر ان کے ورثاء کو کرایہ ادا کرے گا، لہٰذا عقد استصناع صانع کی موت سے ختم نہ ہو گا، بلکہ اس کے ورثاء وغیرہ اگر اس مطلوبہ شئ کو تیار کر سکتے ہیں تو وہ تیار کریں گے، اور ہمارے زمانے میں تو استصناع کا دائرہ وسیع ہے بڑی

---

[1] ابن الہمام، **فتح القدیر**، باب السلم 5/356

[2] ابن نجیم، **البحر الرائق**، باب السلم والاستصناع، 6/284

بڑی کمپنیاں آرڈر پر مال تیار کرتی ہیں ،اب اگر کمپنی کے مالک کا جو عاقد (معاملہ کرنے والا) تھا انتقال ہو جاتا ہے، تو آرڈر کے لئے مال تیار کرنے میں کوئی مشکل پیش نہیں آتی،اس لئے کہ کمپنی بھی اپنی جگہ ہے ،اس میں کام کرنے والے بھی اپنی جگہ ہے، بلکہ کمپنی کی ایک مستقل حیثیت ہوتی ہے، مذکورہ صورت اس وقت ہے جب عقد میں کمپنی کے کسی خاص صانع کا عمل مشروط نہ ہو اگر کسی مخصوص صانع کے عمل کو مشروط قرار دیا گیا تھا، تو اس صورت میں صانع کی موت سے عقد ختم ہو گا۔

چنانچہ مجلۃ الفقہ الاسلامی میں لکھاہے۔

"لان الحنفية قاسوالاستصناع فی بطلان بموت الصانع علی الاجارة --ذهب مالك ،والشافعی،واحمد -- الی ان الاجارة لاتبطل بموت العاقدين ولابموت احدهما--- ومن هنافماالمانع من القول بعدم بطلان الاستصناع بموت العاقدين اواحدهما،ولاسيما فی وقتنا الحاضر الذی اصبحت للمصانع شخصية معنوية اعتبارية دائمة مستمرة"-[1]

ترجمہ:

کیونکہ احناف نے استصناع کو صانع کی موت کے ساتھ اجارہ پر قیاس کیا ہے امام مالکؒ، امام شافعیؒ اور احمدؒ اس بات کی طرف گئے ہیں کہ عاقدین کی موت سے اجارۃ باطل نہیں ہوتا نہ ان میں سے کسی ایک کی موت سے خاص طور پر ہمارے دور میں کیونکہ اس میں مصنوعات شخصی، اعتباری، معنوی اور دائمی ہیں۔یعنی کسی کی موت سے وہ متاثر نہیں ہوتے۔

فقہ المعاملات میں عاقدین میں سے کسی ایک کی موت کا بیع استصناع پر اثر کو یوں ذکر کیا ہے۔

"أثر موت أحد العاقدين على عقد الاستصناع الذين قالوا من فقهاء الحنفية أن عقد الاستصناع غير لازم , جعلوا موت أحد العاقدين سببا لفسخ العقد".[2]

ترجمہ:

متعاقدین میں سے کسی ایک کی موت کا بیع استصناع پر اثرات۔جو احناف فقہاء عقد استصناع کو غیر لازم سمجھتے ہیں انھوں نے عاقدین کی موت کو عقد کے فسخ ہونے کا سبب بتلایا ہے

---

[1] منظمة المؤتمر الاسلامي، **مجلة مجمع الفقه الإسلامي** (بيروت: دار البشائر الإسلامية، الطبعة الأولى، 2012)، 2/14543، مزید **جدید معاشی نظام میں اسلامی قانون اجارہ**، 487

[2] عثمانی، **فقہ المعاملات** 1/307

اور وہ فقہاء جنہوں نے اس کو اجارہ کی قبیل سے بنایا ہے انہوں نے بھی ان میں سے کسی کی موت واقع ہونے کو بیع استصناع کیلیئے فسخ قرار دیا ہے۔ کیونکہ انکے نزدیک اجارہ عاقدین میں سے کسی ایک کی موت کے ساتھ ختم ہو جاتا ہے لیکن جمہور فقہاء کے نزدیک اجارہ ان میں سے کسی کی موت پر فسخ نہیں ہوتا اور یہی اولٰی ہے اس قول کے مطابق جب عاقدین میں سے کسی کی موت واقع ہو جائے تو استصناع باطل نہیں ہو گی بلکہ ورثاء پر اس کی تکمیل اور مبیع کو تیار کر کے حوالہ کرنا لازمی ہو گا اور مستصنع اگر فوت ہوا تو اس کے ورثاء پر قیمت ادا کرنا لازم ہو گا اور اسی وجہ سے ہم پہلے ہی ذکر کر چکے ہیں کہ بیع استصناع ایک لازمی بیع (یعنی معاملہ کرنے والے بات کر کے مکر نہیں سکتے) اور یہ بات تب ہی بن پائے گی جب معاملہ کرتے وقت یہ نہ طے پایا جائے کہ کاریگر بنفسہ خود ہی اس چیز کو بنائے گا یا پھر شخصی اہلیت کو اور مہارت کا عقد میں ذکر نہ ہو جیسے خطاط کیونکہ ایسی صورت میں بیع ان کی موت کے ساتھ فسخ ہو جائیگی۔

خلاصہ

مصنوع (جو چیز بنوائی جا رہی ہے) کی جنس، نوع، مقدار، اور اس کے مطلوبہ اوصاف کی وضاحت ہو، مثلاً یہ کہ آرڈر دینے والا سامان کی جنس (یعنی کونسی چیز بنائے گا) اس کی نوعیت (کہ کس قسم کے اور کس کمپنی کے میٹریل کی چیز بنائے گا) صفت (کہ کس کوالٹی کی چیز اعلیٰ، متوسط، یا معمولی بنائے گا) اس کی مقدار وزن سائز اور ہر اس چیز کی مکمل وضاحت کر دے، جو مطلوبہ سامان میں اس کے پیش نظر ہے، جس کے بعد میں نہ کوئی ابہام رہے اور نہ ہی بعد میں اختلاف اور نزاع کی نوبت آئے۔)

استصناع ان اشیاء میں ہو سکتا ہے جن میں کاریگری کو دخل ہو، اور جن اشیاء میں کاریگری کو دخل نہ ہو جیسا کہ گندم، پھل، چاول، گوشت، اور سبزیاں وغیرہ تو ان میں استصناع درست نہیں ہو گا۔

وہ خام میٹریل جس سے شئ مطلوبہ تیار کی جائے گی وہ صانع (بائع) کا ہو گا، اگر وہ خریدار کا ہو تو یہ عقد اجارہ ہو گا نہ کہ عقد استصناع۔

مصنوع (یعنی جو چیز بنوائی جاری ہو) ان اشیاء میں سے ہو، جس میں لوگوں کے درمیان استصناع کا تعامل ہو

عقد استصناع ان چیزوں میں جاری ہو گا، جن کو اوصاف کے ذریعہ متعین کیا جا سکتا ہو

احناف کے یہاں عقد استصناع دو چیزوں سے ختم ہو جاتا ہے، ایک تو یہ کہ وہ منصوبہ اور کام مکمل ہو جائے شئ مصنوع یعنی صانع جس چیز کو بنا رہے ہیں وہ مستصنع (خریدار) کے حوالہ کر دی جائے، مستصنع اس

کو قبول کر بھی لے ،اور کاریگر ثمن پر قبضہ کرلے ،جب صانع نے ملے ہوئے آرڈر کے مطابق سامان تیار کر کے مستصنع کے حوالہ کر دیااور مستصنع نے ثمن ادا کر کے شئ منصوع (جس چیز کو بنایا جارہاہوں) پر قبضہ کرلیاتو عقد استصناع مکمل ہو گیا،ہاں اگر مطلوبہ چیز اوصاف کے مطابق نہ ہوتو اس صورت میں خریدار کو خیار ملے گا۔ دوسری چیز جس سے عقد استصناع مکمل ہو جاتاہے ،وہ عاقدین میں سے کسی ایک کی موت ہے ،اگر ،عاقدین (صانع اور مستصنع) میں سے کوئی مر گیاتو بھی عقد استصناع ختم ہو جائے گا،احناف نے اس کو قیاس کیاہے اجارہ پر کہ اجارہ متعاقدین میں سے کسی ایک کی موت کی وجہ سے ختم ہو جاتاہے۔

فصل سوم

بیع استصناع میں عقد وکالۃ کی حیثیت

وکالۃ کا تعارف

وکالۃ کے لغوی معنی کسی دوسرے کی طرف سے کوئی کام کرنا کسی چیز کو اپنی تحویل میں لینا، دوسروں کے لیے اپنی ہنر مندی استعمال کرانا یا کسی کام کے لیے تدبیر کرنا ہیں۔ اس لفظ سے توکیل اخذ کیا گیا ہے، جس کے معنی کسی کام کے لیے کسی شخص کی تعیناتی یا کسی کو کوئی کام تفویض کرنے کے ہیں۔ وکالت ذمہ داری بھی ہے، اس لیے لازم ہے کہ وکیل اپنی ذمہ داری اسی طرح پوری کرے جس طرح ایک امین امانت کے سلسلے میں مکلف ہوتا ہے۔

وکالت کی بنیادی اقسام

وکیل بالخصومہ (موکل کی جانب سے نزاعات کو طے کرنا)۔

وکیل تقاضی الدین (دین کی وصولی کے تقاضے کے لیے ایجنٹ)۔

وکیل بالقبضہ دین (دین کو وصول کرنے یا تحویل میں لینے کے لیے)۔

وکیل بالشرء (خریداری کے لیے)۔[1]

وکیل بالبیع (تجارت کیلئے) کسی کام کیلئے کسی اور کو ایجنٹ بنانا اور کسی کام کا تفویض کرنا شرعی نص سے ثابت ہے۔

نبی کریم صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم نے خود حضرت عروۃ البارقی (رضی اللہ عنہ) نامی صحابی کو بکری خریدنے کا کام تفویض کیا ابن ماجہ میں ہے کہ:

((عَنْ عُرْوَةَ الْبَارِقِيِّ أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَعْطَاهُ دِينَارًا يَشْتَرِي لَهُ شَاةً فَاشْتَرَى لَهُ شَاتَيْنِ فَبَاعَ إِحْدَاهُمَا بِدِينَارٍ فَأَتَى النَّبِيَّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بِدِينَارٍ وَشَاةٍ

---

[1] ابن عابدین، **ردالمحتار (فتاوی شامی)** 3/364، مزید دیکھئے عثمانی، **فقہ المعاملات**، 2/233

فَدَعَا لَهُ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بِالْبَرَكَةِ قَالَ فَكَانَ لَوْ اشْتَرَى التُّرَابَ لَرَبِحَ فِيهِ.))[1] حكم : صحيح (الألباني)

حضرت عروہ بن ابو جعد بارقیؓ سے روایت ہے کہ نبی ﷺ نے انہیں بکری خریدنے کے لیے ایک دینار دیا۔ اس نے دو بکریاں خرید لیں، پھر ایک بکری ایک دینار کی بیچ دی اور نبی ﷺ کی خدمت میں دینار بھی پیش کر دیا اور بکری بھی۔ رسول اللہ ﷺ نے اس کے حق میں برکت کی دعا فرمائی۔

وکالۃ کا معقود علیہ یا کام جو ایجنٹ کی طرف سے کیا جاتا ہے وہ طے کیا جانا ضروری ہے ایسے کاموں کیلئے وکالۃ جائز نہیں جو شریعت میں ممنوع ہے یا جن میں شرعی اصولوں کی نافرمانی کا عنصر پایا جاتا ہے۔ مثلا چوری، دوسروں کا مال ناجائز طور پر لینا یا کوئی سودی کاروبار کرنا، کچھ جائز کام بھی ایسے ہیں جن میں نمائندگی ممکن نہیں، مثلا نماز اور روزے کی ادائیگی، گواہی دینا، حلف لینا وغیرہ، یہ سارے کام انسان صرف خود ہی کر سکتا ہے۔ مثال کے طور پر کسی واقعے کا عینی گواہ اس بات کی گواہی کیلئے کسی دوسرے کو گواہ نہیں بنا سکتا۔ وہ کام جن کیلئے ایجنسی کا معاہدہ کام دے سکتا ہے ان میں خرید و فروخت، اثاثہ جات کا کرایہ پر لینا اور دینا، قرض دینا اور لینا قرض کی منتقلی، ضمانت، رہن، گارنٹی دینا، اداء کرنا، ضمان کی تحویل دینا سپرداری، ادائیگی کرنا اور وصول کرنا، نکاح و طلاق کے معاملات، مقدمات کا دائر کرنا اور انکا اخراج اور حقوق قبول کرنا شامل ہے۔

ایجنسی کا معاہدہ اسپیشل بھی ہو سکتا ہے اور عام بھی کوئی بینک عام ایجنسی کے تحت کوئی چیز خریدنے کیلئے کسی کو وکیل مقرر کر سکتا ہے، لیکن اگر بینک کسی شخص سے کسی مخصوص چیز کو دی گئی قیمت پر یا دیگر ہدایات کے تحت فروخت کرنے کو کہتا ہے۔ تو یہ مخصوص ایجنسی کا معاہدہ ہے مخصوص ایجنسی کے تحت اگر کسی شئے کی خرید کیلئے کسی کو ایجنٹ بنایا جا رہا ہو تو اس کی فیس، قسم، خصوصیت یا دیگر لازمی صفات بتا دی جائے ایجنسی کے جنرل معاہدے میں بھی کام کی نوعیت واضح ہونی چاہیئے، تاکہ بعد میں کسی نزاع سے بچا جا سکے ایسا شخص جو کسی دوسرے کی طرف سے اشیاء وصول کرکے اور ادائیگی کرنے کیلئے وکیل بنایا گیا ہو اسے اشیاء اپنی تحویل میں لینے معائینہ کرنے، خیار عیب کا حق استعمال کرنے اشیاء کو واپس کرنے، قیمت کی واپس لینے وغیرہ کے اختیارات حاصل ہیں۔

[1] ابن ماجہ، **سنن ابن ماجہ**، بَابُ الْأَمِينِ يَتَّجِرُ فِيه فَيَرْبَحُ ،ح:2402

اگر وہ فروخت کرے گا تو اسے قیمت کے تقاضہ کا حق بھی ہو گا اگر وہ وکالۃ معاہدے کی شرائط کے مطابق چیز کی خرید و فروخت نہیں کرتا تو اس پر دعویٰ دائر کیا جاسکتا ہے اور وہ نقصان کا ذمہ دار ہو گا۔

ایجنٹ کو پرنسپل کی ہدایت کے مطابق اور پوری توجہ اور ممکنہ حد تک لگن سے کام کرنا چاہئے۔ وہ پرنسپل کی اجازت کے بغیر کام آگے کسی دوسرے کے ذمے نہیں لگا سکتا اسے پرنسپل کے مفاد کے خلاف کام (conflict of interest) کرنے سے بھی اجتناب کرنا ضروری ہے۔ مثلاً وہ واضح طور پر بتائے بغیر اپنی کوئی چیز اس کیلئے نہیں خرید سکتا۔ ایجنسی سے کسی تیسرے فریق کیلئے بھی ذمہ داری عائد ہو سکتی ہے۔ اس لئے جب بینک کسی کاروباری کام کیلئے ایجنٹ بنائیں تو انھیں معاہدے کے تحت یہ یقین حاصل کر لینا چاہئے کہ ایجنٹ نیک نیتی اور ضروری احتیاط سے کام کرے۔ معاہدے میں شق رکھی جاسکتی ہے کہ اس کی بدنیتی اور بے احتیاتی سے کسی تیسرے فریق کو ہونے والے نقصان کے وہ ذمہ دار ہونگے۔

ایجنٹ کی طرف سے کیے جانے والے کام کے بارے میں سمجھا جائے گا کہ وہ خود پرنسپل نے کیا ہے۔ ترجیحی ، فقہی رائے خاص طور پر شافعی اور حنبلی فقہاءؒ کے مطابق اگر ایجنٹ کسی کی طرف سے کوئی چیز خریدتا ہے تو اس کی تحویل میں آنے کا مطلب یہ ہے کہ وہ چیز پرنسپل کی تحویل آگئی ہے۔

کبھی کبھار کوئی شخص پرنسپل کی طرف سے باقاعدہ اختیار ملے بغیر کوئی کام کرتا ہے۔ اسلامی فقہ میں اختیار کے بغیر ایجنسی کا کام کرنے والے کو فضولی کہا جاتا ہے۔ فضولی کی طرف سے کیے گئے کام کی حیثیت کے بارے میں دو رائے ہیں۔ قبل ترجیح رائے یہ ہے کہ اگر پرنسپل ایسے کام کی توسیع کر دے تو یہ صحیح ہو گا۔

وکالۃ کا معاہدہ ان صورتوں میں ختم ہو جاتا ہے:

باہمی بات چیت سے کوئی ایک فریق معاہدہ فسخ کر دے، کام پورا ہو جائے، جس چیز سے متعلق کام کرنا تھا وہی نہ رہے یا ایجنٹ کی موت یا وہ قانونی طور پر نااہل ہو جائے۔

اسلامی بینک تو قریباً تمام طریقہ ہائے تمویل مثلاً؛ مرابحہ، سلم، استصناع، اجارۃ، مشارکۃ، متناقصہ وغیرہ میں اور ایل۔ سی، رقوم کی ادائیگی وصولی، فنڈ مینیجمنٹ اور وسائل کے اجراء جیسے کاموں کے لئے وکالۃ کے معاہدے کو استعمال کرتے ہیں۔

وکالۃ عقد معاوضہ اور غیر معاوضہ عقد دونوں طرح کا معاہدہ ہے۔ اسلامی بینکوں کی طرف سے ان کے گاہک بطور ایجنٹ جو خرید و فروخت کرتے ہیں بینک عموماً ان کی کوئی فیس یا معاوضہ ادا نہیں کرتے تاہم

بینک اپنے گاہکوں کیلئے جو ایجنسی خدمات فراہم کرتے ہیں عام طور پر ان کی اجرت لیتے ہیں۔ وکالۃ الاستثمار کی بنیاد پر مینیجمنٹ اس کی ایک مثال ہے جس میں بیع کی ایجنسی کی فیس چارج کرتے ہیں اور نفع یا نقصان سارے کا سارا سرمایہ کار کا ہوتا ہے۔

وکالۃ الاستثمار

"الاستثمار؛استخدام الأموال في الإنتاج إما مباشرة بشراء الآلات والمواد الأولية وإما بطريق غيرمباشر كشراء الأسهم والسندات"[1]

ترجمہ:

استثمار؛ پیسے کا پیداوار میں استعمال، یا تو براہ راست مشینری اور خام مال کی خریداری کے ذریعے، یا بالواسطہ طور پر، جیسے حصص اور بانڈز خرید کر۔

الاستثمار کا مطلب سرمایہ کاری کرنے کیلئے ایجنسی خدمات فراہم کرنا ہے۔ اسلامی مالکاری ادارے اس بنیاد پر سرمایہ کاروں کی رقوم کا انتظام کرسکتے ہیں قطع نظر نفع یا نقصان کے جو سرمایہ کار کا گاہکوں کا ہوتا ہے بینک اپنی ایجنسی سروس کے عوض پہلے سے طے شدہ فیس لیتے ہیں یہ فیس کوئی مقررہ رقم یا سرمایہ کاری کی مقدار یا فنڈ کی خالص اثاثی مالیت کے فیصد کے حساب سے ہوسکتی ہے مثال کے طور پر فنڈ منیجر یہ طے کرسکتے ہیں کہ وہ ہر مالی سال کے اختتام پر فنڈ کی خالص اساسی ویلیوvalue کا دو یا تین فیصد بطور ایجنسی فیس لے لیں گے۔

تاہم فنڈ کی لانچنگ ابتدا سے پہلے فیس کی اوپر دی گئی شکلوں میں سے کسی ایک پر اتفاق ہونا ضروری ہے فنڈ کے پراسپیکٹس میں اس بنیاد کا تذکرہ کیا جاسکتا ہے جس پر انتظامی فیس لی جائے گی۔ پراسپیکٹس کی اطلاع کی بنا پر عموما یہ سمجھا جاتا ہے جو شخص بھی رقوم اس فنڈ میں لگائے گا، وہ اس میں دی گئی شرائط سے متفق ہو گا اس کا مطلب یہ ہو گا کہ رقوم فراہم کرنے والے سارے لوگ فیس کی ادائیگی کے طریقہ کار کو قبول کرتے ہوئے فنڈ فراہم کر رہے ہیں۔

تورّق

تورّق کا مطلب کوئی چیز اُدھار پر خرید کر آگے نقد پر فروخت کر دینا ہے تا کہ فروخت سے حاصل ہونے

[1] مجموعۃ من المولفین، **المعجم الوسیط**، 1/100

والی رقم کو اپنے متفرق مقصد میں لایا جاسکے یعنی وہ چیز خریدنے والے کی ضرورت نہیں ہوتی وہ صرف اُدھار پر خریدی گئی چیز کو نقد پر فروخت کرکے نقدی حاصل کرنا چاہتا ہے اگر وہ کسی تیسرے فریق کے ساتھ فروخت کرتا ہے تو یہ شریعت میں قابل قبول ہے اگرچہ اسے پسندیدہ ٹرانزیکشن قرار نہیں دیا جاسکتا لیکن اگر واپس اسی کو فروخت کردی جائے جس سے اُدھار پر خریدی تھی تو یہ فقہاء کی واضح اکثریت کے نزدیک شرعی اصولوں سے مطابقت نہیں رکھتی ۔ اگرچہ تورّق پسندیدہ طریقہ نہیں پھر بھی بہت سے اسلامی بینک اسے اپنی سیالیت کے بہتر انتظام کے لئے اور مالکاری کے ایک طریقے کے طور پر استعمال کر رہے ہیں خاص طور پر اشیائے صارفین کے مالکاری اور کریڈٹ کارڈ میں بعض اسلامی بینک تورق کو کافی حد تک استعمال کر رہے ہیں اسلامی فقہ کے اعتبار سے تورق پر بحث زیادہ تر حنبلی اور شافعی فقہاؒ نے کی ہے مگر وہ تورّق اور بیع العینہ میں فرق پر زور دیتے ہیں تورّق کرنے والا کسی تیسرے فریق کو چیز فروخت کرکے نقدی حاصل کرتا ہے جب کہ عینہ میں خریدنے والا اسی فروخت کنندہ کو فوراً واپس فروخت کر دیتا ہے۔ قیمت فروخت اور دوبارہ خرید میں فرق دراصل سود کی شکل میں اس کی آمدن ہوتی ہے حنبلی اور شافعی فقہا عام طور پر تورّق کو جائز قرار دیتے ہیں اسی حوالے سے امام احمد رحمتہ اللہ علیہ سے دو طرح کی روایت رپورٹ کی گئی ہے حنابلہ اکثریت جواز والی روایت کو ترجیح دیتی ہے تاہم ابن تیمیہؒ اور ابن القیمؒ تورّق کو ناجائز خیال کرتے ہیں مالکی فقہا جو بیع العینہ کے بارے میں بہت سخت رائے رکھتے ہیں یعنی اسے ناجائز کہتے ہیں تورّق میں کوئی بڑا مسئلہ محسوس نہیں کرتے ان کے نزدیک یہ ربا سے بچنے کا ایک طریقہ ہے متاخرین حنفیہ میں سے کچھ فقہاء بھی تورق کو عینہ قرار دے کر اس سے اجتناب کی رائے دیتے ہیں۔ لیکن احناف کی اکثریت میں ابن الہام رحمہ اللہ علیہ کی رائے کو ترجیح دی ہے جس کے مطابق عینہ صرف اس وقت بنتی ہے جب چیز اسی کو فروخت کی جائے. جس سے خریدی گئی تھی اور اگر یہ چیز مارکیٹ میں کسی اور کو فروخت کی جائے تو صحیح اور جائز ہے تاہم ان کے نزدیک بہتر یہ ہے کہ وہ شخص بلا سود قرضے فراہم کرے اس طرح چاروں مسالک میں ترجیح تورق کے جواز والی رائے کو دی گئی ہے اگر تو بینک اچھی مارکیٹ رکھنے والی کوئی چیز خرید کر متورق یعنی تورق کے خواہش مند شخص کو فروخت کرتا ہے اور وہ اسے بازار میں فروخت کرتا ہے تو اس میں شرعی لحاظ سے کوئی مذائقہ نہیں لیکن اگر عملی صورتحال ایسی ہو کہ بینک چیز خریدنے کے لئے متورق کو ایجنٹ بنائے جو بعد میں خود کو فروخت کرلے یعنی خرید و فروخت کے دو سودے ایک دوسرے پر منحصر ہو

اور بینک خود پہلے چیز کی ملکیت حاصل نہ کرے اور نہ ہی اس کا رسک لے تو یہ سودا صحیح نہیں ہو گا بینک کی طرف سے بطور ایجنٹ چیز خریدنے کے بعد بینک اگر باقاعدہ الگ معاہدے کے تحت چیز گاہک کے ہاتھ فروخت کرے تو فقہی اعتبار سے جائز تو ہو گا مگر یہ اپنے نتائج کے اعتبار سے نامناسب ہے۔

قومی اور بین الاقوامی سطحوں پر اجناس کی منڈیوں اور اسٹاک ایکسچینج میں اگر تورق اس طرح کیا جائے کہ بروکرز ایجنسی خدمات فراہم کر رہے ہوں نہ تو اشیاء کی ملکیت منتقل ہو اور نہ ہی ان کا قبضہ لیا دیا جائے تو ایسا سودا کئی لحاظ سے قابل اعتراض ہو گا کیونکہ اس میں کئی ایک شرعی لوازمات کو مد نظر نہیں رکھا گیا کئی اسلامی بینک حصص، صکوک اور حتیٰ کہ نقدی قابل وصول رقوم اور ٹھوس اثاثہ جات کے مخلوط اثاثہ جات کے بنڈلوں کی بنیاد پر تورق کر رہے ہیں۔

اگرچہ فقہی اعتبار سے کسی نہ کسی طرح اس کا جواز نکالا جا سکتا ہے مگر ایسی ٹرانزیکشن سے اجتناب بہتر ہے چنانچہ علماء اور بینکاری کے ماہرین سفارش کرتے ہیں کہ تورق کا استعمال صرف مشترکہ سرمائے کے شعبے کی ناگزیر ضروریات کو پورا کرنے کے لیے ہی کیا جائے اسلامی مالیات کے نامور سکالر جناب منذز کہف کی رائے میں عام صارفین کے لیے تورق کے استعمال کو بالکل بند کر دیا جائے ڈاکٹر نجات اللہ صدیقی کا اس سلسلہ میں مشاہدہ ہے کہ گاہک نقدی کی خواہش اور ضمانت کے ساتھ بینک کے پاس جاتا ہے اور تورّق کیلئے چند دستخط کرنے کے بعد نقدی لے کر گھر آ جاتا ہے تورق کے اس طرح وسیع و غیر محتاط استعمال سے اسلامی مالکاری کی نئی صنعت کو نہایت اساسی قسم سیالیت کے خطرات کا سامنا کرنا پڑے گا۔

سیالیت کے انتظام کے لئے تورق کا استعمال

کئی بینک تورّق کو نقد رقوم کے حصول اور ان کی سرمایہ کاری کے لیے استعمال کر رہے ہیں اصطلاح کے اعتبار سے یہ عمل(liquidity Management) لکویڈیٹی مینیجمنٹ کہلاتا ہے. چونکہ اس سے بینکوں کو مقررہ آمدن مل سکتی ہے۔ اس لیے اسے کموڈیٹی مرابحہ یا حصص میں مرابحہ کے نام سے مڈل ایسٹ یورپ کے کئی بینک استعمال کر رہے ہیں۔ اس کی قابل قبول صورت درج ذیل ہو سکتی ہیں بینک الف جس کو نقد رقم کی ضرورت ہے اور بینک ب جس کے پاس فاضل نقدی موجود ہے کسی ایسی چیز یا ایسی کمپنی کے حصص کا چناؤ کرتے ہیں جو مارکیٹ میں جلد اور با آسانی فروخت ہو سکتے ہیں بینک ب اس چیز یا ان حصص کو بازار سے نقد ادائیگی پر خرید تا ہے اور بینک الف کو اُدھار مرابحہ کی بنیاد پر فروخت کر دیتا ہے قبضہ

لینے کے بعد بینک الف ان حصص یا اس چیز کو نقد قیمت پر بازار میں فروخت کر دیتا ہے اس طرح اس کی نقدی کی ضرورت پوری ہو جاتی ہے۔

بظاہر مذکورہ طریقہ کار بہت سادہ اور آسان محسوس ہوتا ہے لیکن اسے عملی طور پر شرعی اصولوں کے مطابق رکھنے کے لئے بہت احتیاط کی ضرورت ہے تاکہ یہ دو بینکوں اور بروکرز کے درمیان صرف ایک رسمی کاروائی ہی نہ بن جائے اس لئے بینک اسے صرف ناگزیر حالات میں ہی استعمال کریں۔ جب سود سے بچاؤ کا کوئی متبادل نہ ہو ایسی صورت حال میں بھی شریعہ بورڈ کو اپنی نگرانی کا کام کرنا چاہیے۔

جعالہ

کسی کام پر انعام کا التزام جعالہ کہلاتا ہے جسے جیم پر زبر زیر اور پیش تینوں طرح طرح پڑھا جا سکتا ہے، جس میں ایک شخص جاعل اعلان کرتا ہے کہ جو بھی کوئی مخصوص کام کرے گا یا دیا ہوا مقصد حاصل کرے گا مثال کے طور پر چوری شدہ کار کو تلاش کر کے لائے گا اسے مخصوص انعام دیا جائے گا قرآن و سنت کے مطابق اس طرح کا معاہدہ جائز ہے۔

سورہ یوسف میں موجود ہیں کہ حضرت یوسف علیہ السلام کے دربار کی طرف سے اعلان کیا گیا کہ جو شخص بادشاہ کا پیالہ ڈھونڈ کر لائے گا اسے اتنا غلہ بطور انعام دیا جائے گا جتنا ایک اونٹ اٹھاتا ہے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی صحابہ رضی اللہ عنہم کی طرف سے کیے گئے اس طرح کے ایک معاملے کی توثیق کی۔ روایت کے مطابق صحابہ نے ایک قبیلے کے سردار سے طے کیا کہ اگر ان کے کسی عمل سے سردار کو شفا مل گئی تو وہ انھیں اس کا معاوضہ دے گا مالکی، شافعی، حنبلی اور کی حنفی فقہاء جعالہ کو جائز قرار دیتے ہیں اگرچہ کچھ فقہا جعالہ کو صرف بھاگے ہوئے غلام کی تلاش کے لئے ہی محدود خیال کرتے ہیں تاہم اکثر فقہا بہت سی دیگر کاروائیوں کے لیے بھی اسے جائز سمجھتے ہیں ابن قدامہ رحمتہ اللہ علیہ کے مطابق اگر کوئی کسی سے کہے میرے لیے فلاں سے سو درہم قرض لیکر دو میں تمہیں دس درہم دوں گا یہ جعالہ ہے اور جائز ہے۔

جعالہ کے جواز کے لیے مطلوبہ ہدف کے تعین کو ہی کافی قرار دیا جاتا ہے البتہ دیا جانے والا انعام لازماً معلوم ہونا چاہیے یہ طریقہ ایسے حالات میں مفید ثابت ہوتا ہے جہاں اجارہ کی شرائط پوری نہ ہو رہی ہوں کیونکہ اجارہ صرف واضح اور متعین کام کے لیے ہی ہو سکتا ہے جس کا ہونا یقینی ہوتا ہے۔

غیر یقینی معقود علیہ جیسے گمشدہ کار یا بھاگے ہوئے جانور کی تلاش کے لئے کسی کو مزدور کے طور پر نہیں رکھا جا سکتا علاوہ ازیں اجرۃ میں کام کرنے والے کے عمل کے ایک حصے کو بطور اجرت مقرر نہیں کیا جا سکتا ۔جب کہ جعالہ میں جائز ہے اسلامی بینک جعالہ کو واجب الوصول قرضوں کی واپسی کے لئے اور دیگر ایسے کاموں کے لئے استعمال کر سکتے ہیں جن میں کام کی مقدار کا پورا تعین کہ اس پر کتنی محنت اور کتنا وقت درکار ہو گا معلوم نہیں ہوتا۔

درالمختار میں مذکور ہے:

"الوکالة:التوكيل صحيح بالكتاب والسنة قال تعالى ﴿ فابعثوا أحدكم بورقكم ﴾ ووكل عليه الصلاة والسلام حكيم بن حزام بشراء ضحية وعليه الإجماع"[1]

ترجمہ:

وکالۃ یا توکیل درست ہے قرآن وحدیث کی روشنی میں، اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے کہ آپ اپنے میں سے ایک کو یہ اپنا روپیہ دے کر اس شہر میں بھیجو اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے حکیم بن حزام کو قربانی کا جانور خریدنے کیلئے بھیجا تھا اور اسی پر اجماع ہے۔

الهداية في شرح بداية المبتدي میں مذکور ہے:

" قال: "كل عقد جاز أن يعقده الإنسان بنفسه جاز أن يوكل به غيره" لأن الإنسان قد يعجز عن المباشرة بنفسه على اعتبار بعض الأحوال فيحتاج إلى أن يوكل غيره فيكون بسبيل منه دفعا للحاجة. وقد صح أن النبي صلى الله عليه وسلم وكل بالشراء حكيم بن حزام وبالتزويج عمر بن أم سلمة رضي الله عنهما"[2]

ترجمہ: ہر وہ عقد جو بندہ خود کر سکتا ہو اس کیلئے جائز ہے کہ وہ اس کام کیلئے کسی کو وکیل بنائے کیونکہ کبھی کبھار انسان خود اس کام کو کسی وجہ سے نہیں کر سکتا پس وہ محتاج ہوتا ہے کہ کسی دوسرے کو اپنی طرف سے وکیل بنائے تاکہ اس کی حاجت پوری ہو جائے اور یہ درست بھی ہے کیونکہ رحمت دو عالم ﷺ نے حکیم بن حزام کو وکیل بنایا تھا اور تزویج کیلئے عمر بن ام سلمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کو اپنی طرف سے وکیل بنایا تھا۔

"قال:ومن وكل رجلا بشراء شيء فلا بد من تسمية جنسه وصفته أو جنسه ومبلغ ثمنه" ليصير الفعل الموكل به معلوما فيمكنه الائتمار، "إلا أن يوكله وكالة عامة

[1] حصکفی، الدر المختار، 255/3

[2] برھان الدین، الھدایہ فی شرح بدایۃ المبتدی، 137/3

فيقول: ابتع لي ما رأيت"؛ لأنه فوض الأمر إلى رأيه، فأي شيء يشتريه يكون ممتثلا. والأصل فيه أن الجهالةاليسيرة تتحمل في الوكالة كجهالة الوصف استحسانا، لأن مبنى التوكيل على التوسعة؛ لأنه استعانة. وفي اعتبار هذا الشرط بعض الحرج وهو مدفوع"[1]

فرمایا کہ جس نے کسی آدمی کو خریداری کیلئے وکیل بنایا پس لازم ہے کہ اس چیز کی جنس اور اوصاف یا پھر اس کی جنس و قیمت کو کو بیان کرے، تاکہ وہ کام موکل کو معلوم ہو جائے اور اس کیلئے بارگیننگ کرنا ممکن ہو جائے۔ مگر یہ کہ مطلق عام وکالہ ہو اور پس وہ کہے کہ جو آپ کو ٹھیک لگے میرے لئے خریدنا کیونکہ اس نے معاملہ وکیل کے سپرد کیا پس وکیل جو بھی خریدے گا وہ اس کے مثل ہو گا۔ اصل بات یہ ہے کہ جہالت یسیرہ یعنی معمولی جہالت وکالہ میں چل جاتی ہے مثلا وصف وغیرہ استحسانا کیونکہ وکالت کی اصل میں وسعت ہے کیونکہ یہ کسی کی مدد کرنا ہے اس شرط کی وجہ سے بعض حرج مدفوع ہے۔

"باب الوكالة بالبيع والشراء الأصل أنها إن عمت أو علمت أو جهلت جهالة يسيرة وهي جهالة النوع المحض كفرس صحت وإن فاحشة وهي جهالة الجنس كدابة بطلت وإن متوسطة كعبد فإن بين الثمن أو الصفة كتركي صحت وإلا لا (وكله بشراء ثوب هروي أو فرس أو بغل صح) بما يحتمله حال الآمر"

ترجمہ: خرید و فروخت میں وکالہ؛ اصل بات یہ ہے کہ اگر اس عام ہو یا معلوم ہو یا جہالت معمولی ہو تو جیسے صرف نوع کی جہالت جیسے گھوڑا تو درست ہے اور اگر جہالت زیادہ ہو جیسے جنس کی جہالت مثلا جانور کہہ دیا یا درمیانہ جہالت ہو جیسے غلام تو اگر اس نے ثمن (قیمت) یا صفت بیان کر دیا تو جیسے ترکی گھوڑا تو درست ہو گا اگر نہیں بیان کیا تو درست نہیں ہو گا۔ (جیسے وکیل بنایا ھروی کپڑا خریدنے کیلئے یا پھر گھوڑا یا خچر خریدنے کیلئے بنایا تو درست ہے)۔

بیع استصناع اور عقد وکالۃ

عقد استصناع میں بائع یا خریدار کی حیثیت سے ایک دوسرے فریق کی رضامندی سے سامان کی تیاری کے عمل کی نگرانی کا سامان وصول ہونے پر بیچنے کے لیے کسی کو اپنا امین مقرر کر سکتا ہے۔ وہ کلائنٹ یا تیار کنندہ سے بھی مبیع فروخت کرنے کے لیے ایجنٹ کا کردار ادا کرنے کو کہہ سکتا ہے۔ ایجنسی یا وکالہ کا معاہدہ

[1] ایضاً 3/138

استصناع کے معاہدے سے علیحدہ ہونا چاہیے۔ استصناع کرنے والے عام طور پر مقامی یا غیر ملکی منڈیوں میں سامان بیچنے کے لیے ایجنٹ مقرر کرتے ہیں۔

خریدار کی طرف سے مقررہ وقت میں سامان وصول کرنے میں تاخیر کی صورت میں بھی عقد وکالہ استعمال کیا جا سکتا ہے۔ فروخت کنندہ بازار میں سامان بیچ سکتا ہے اور اگر فروخت سے حاصل ہونے والی رقم اس کے واجبات سے زائد ہو تو اضافی رقم خریدار کو دینا ہو گی۔ تیاری کے عمل کی نگرانی اور یہ دیکھنے کے لیے کہ آیا سامان طے شدہ کوائف کے مطابق تیار کیا جا رہا ہے یا دیگر مشاورتی خدمات کے لیے کسی کنسلٹنٹ فرم کو مقرر کر سکتا ہے۔ فریقین آپس میں یہ بھی طے کر سکتے ہیں کہ نگرانی کے اخراجات کون اٹھائے گا۔

خلاصہ

جو کام انسان کیلئے بنفسہ کرنا درست ہو وہ کام وہ کسی اور سے شرعا اجرت یا کمیشن پر کروا سکتا ہے اور اسی کو وکالۃ کہتے ہیں۔ مثلا اپنے لئے خرید و فروخت کسی اور سے کروانا یا اپنے کیس کو کسی وکیل کے حوالہ کرنا وغیرہ۔ وکالت کی اقسام: وکیل بالخصومہ (موکل کی جانب سے نزاعات کو طے کرنا)، وکیل تقاضی الدین (دین کی وصولی کے تقاضے کے لیے ایجنٹ)، وکیل بالقبضہ دین (دین کو وصول کرنے یا تحویل میں لینے کے لیے)، وکیل بالشراء (خریداری کے لیے)۔

الاستثمار کا مطلب سرمایہ کاری کرنے کیلئے ایجنسی خدمات فراہم کرنا ہے۔ اسلامی مالکاری ادارے اس بنیاد پر سرمایہ کاروں کی رقوم کا انتظام کر سکتے ہیں قطع نظر نفع یا نقصان کے جو سرمایہ کار کا گاہگوں کا ہوتا ہے بینک اپنی ایجنسی سروس کے عوض پہلے سے طے شدہ فیس لیتے ہیں یہ فیس کوئی مقررہ رقم یا سرمایہ کاری کی مقدار یا فنڈ کی خالص اثاثی مالیت کے فیصد کے حساب سے ہو سکتی ہے مثال کے طور پر فنڈ منیجر یہ طے کر سکتے ہیں کہ وہ ہر مالی سال کے اختتام پر فنڈ کی خالص اساسی ویلیوvalue کا دو یا تین فیصد بطور ایجنسی فیس لے لیں گے۔

تورّق کا مطلب کوئی چیز اُدھار پر خرید کر آگے نقد پر فروخت کر دینا ہے۔ کئی بینک تورّق کو نقد رقوم کے حصول اور ان کی سرمایہ کاری کے لیے استعمال کر رہے ہیں اصطلاح کے اعتبار سے یہ عمل (liquidity Management) لکویڈیٹی مینیجمنٹ کہلاتا ہے. چونکہ اس سے بینکوں کو مقررہ آمدن مل سکتی ہے۔ اس لیے اسے کموڈیٹی مرابحہ یا حصص میں مرابحہ کے نام سے مڈل ایسٹ یورپ کے کئی بینک استعمال کر رہے ہیں۔

کسی کام کو سرانجام دینے پر انعام دینا جعالہ کہلاتا ہے، جس میں ایک شخص جاعل اعلان کرتا ہے کہ جو بھی کوئی مخصوص کام کرے گا یا دیا ہوا مقصد حاصل کرے گا مثال کے طور پر چوری شدہ کار کو تلاش کر کے لائے گا اسے مخصوص انعام دیا جائے گا قرآن و سنت کے مطابق اس طرح کا معاہدہ جائز ہے۔

باب سوم

عصر حاضر میں بیع استصناع کے تعمیراتی منصوبے اور ان کی شرعی حیثیت

فصل اول: تعمیراتی مالکاری کے منصوبے

فصل دوم: جدید بیع استصناع شرعی تعلیمات کی روشنی میں

فصل اول

تعمیراتی مالکاری کے منصوبے

شریعت مطہرہ کی روسے معدوم چیز کی بیع ممنوع ہے تاہم عقد استصناع جائز ہے، اس کے جواز کے لئے معقود علیہ (مبیع) کی جنس، نوع، صفت، مقدار کا معلوم ہونا اور اس پر لوگوں کا تعامل ہونا شرط ہے لہذا قبل از تعمیر یا زیر تعمیر بلڈنگ میں نقشہ دیکھ کر دوکان / فلیٹ کی بکنگ کرنا عقد استصناع کے طور پر جائز ہے چنانچہ اگر نقشہ دیکھ کر اس طور پر دوکان / فلیٹ کی تعیین کی جائے کہ بعد میں کسی قسم کے جھگڑے اور تنازع کا سبب نہ بنے ، مثلا: دوکان / فلیٹ نمبر، منزل، مربع فٹ، کمروں کی تعداد، محل وقوع وغیرہ معلوم ہو جائے، تو ایسی صورت میں دوکان / فلیٹ کی بکنگ کروانا جائز ہے۔

پہلی صورت

زمین مستصنع (مشتری) فلیٹس بنوانے والے کی ملکیت ہو ،او ر مستصنع صانع یعنی ٹھیکیدار سے کہے کہ آپ اس نقشہ کے مطابق اس زمین پر فلیٹ ،دوکان ،ریسٹورنٹ وغیرہ بنائے تو اگر ٹھیکیدار صرف کام اپنے ذمہ لیتاہے ،اور میٹریل یعنی سامان اس کی طرف سے نہیں ہوتا، ٹھیکیدار کہتاہے کہ میں بنادوں گالیکن ساراسامان آپ کو دیناہو گاتو یہ عقد اجارہ ہے، لیکن اگر تمام میٹریل کی فراہمی ٹھیکیدار کے ذمے ہو مثلاً مستصنع (مشتری) کہے کہ یہ نقشہ ہے، اس میں اس قسم کا میٹریل استعمال کریں ،اور تیار شدہ شکل میں آپ ہمیں بناکے دیں تو یہ استصناع کا عقد ہے۔

دوسری صورت

زمین صانع کی ملکیت ہو اور مستصنع اس سے کہہ دے کہ آپ اس پر فلیٹ ،دوکان ،ہوٹل وغیرہ میرے لئے تیار کردیں۔ چنانچہ آج کل اس طرح ہوتاہے کہ جب صانع اپنی زمین پر کسی بڑے منصوبے مثلاًبلڈنگ وغیرہ بنانے کے اسکیم کا آغاز کرتاہے جو کئی فلیٹس، دوکان ہوٹل وغیرہ پر مشتمل ہوتاہے تو لوگوں کو اس میں حصہ لینے کی دعوت دیتاہے کہ ہم آپ کے لئے اس ڈیزائن اور اس معیار کے فلیٹس ،دوکان وغیرہ بناکر دینگے جو اس نقشہ میں ہے تو لوگ رقم دیتے ہیں اور فلیٹس، دوکان تیار ہونے کے بعد ان کے حوالے کردئے جاتے ہیں تو یہ صورت استصناع کی شرائط کے ساتھ جائز ہے۔

تیسری صورت

لیکن آج کل فلیٹس کی تیاری مکمل نہیں ہوتی کہ مالکانہ حقوق حاصل کئے بغیر آگے فروخت کر دیا جاتا ہے اور قبضہ میں بھی نہیں ہوتا یہ صورت ناجائز ہے حدیث پاک میں اس کی ممانعت آئی ہے۔

((حدثنا ازهر بن مروان ، قال: حدثنا حماد بن زيد ، ح وحدثنا ابو كريب ، حدثنا إسماعيل ابن علية ، قالا: حدثنا ايوب ، عن عمرو بن شعيب ، عن ابيه ، عن جده ، قال: قال رسول الله صلى الله عليه وسلم: لا يحل بيع ما ليس عندك، ولا ربح ما لم يضمن.))[1] صحيح

عبد اللہ بن عمرو بن العاص رضی اللہ عنہما کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلى الله عليه وسلم نے فرمایا" :جو چیز تمہارے پاس نہ ہو اس کا بیچنا جائز نہیں، اور نہ اس چیز کا نفع جائز ہے جس کے تم ضامن نہیں۔

الدکتور وھبۃ الزحیلی رحمہ اللہ لکھتے ہیں:

"ومن ابرزالامثلة والتطبيقات لعقد الاستصناع بيع الدور والمنازل والبيوت السكنية على الخريطة۔"[2]

استصناع کے معاہدہ کی سب سے نمایاں مثالوں اور تطبیقات میں سے ایک مثال گھر، فلیٹ اور رہائشی مکانات کو نقشے کے مطابق انکے اوصاف کی مطابق درست عقد کے بعد جب کہ اس کی قانونا اجازت بھی دی جاچکی ہو اور نقشہ بھی جاری کیا گیا ہو اور عقد میں تعمیر کی خصوصیات کو اس طرح ذکر کیا گیا ہو کہ اس میں کوئی بھی بات مبہم ومجہول نہ رہے جو کہ اختلافات اور لڑائی پر منتج ہو۔

اسی طرح مفتی محمد تقی عثمانی صاحب لکھتے ہیں۔

"وقدتعورف فی زماننا الاستصناع فی البنايات،وله صورتان ،الصورة الاولىٰ ان تكون الارض ملكاًللمستصنع،ويطلب مالک الارض من المقاول ان يبنى عليهاعمارة حسب تصميم معين فان كانت المقاولة لعمل البناء فقط،والمواد كلهامن قبل صاحب الارض،ہو اجارة،واماّاذاكانت المقاولة تشمل عمل البناء مع توفير الموادمن قبل

---

[1] السجستانی، سلیمان بن الأشعث، **سنن ابی داود**(القاھرۃ: مکتبہ ابن تیمیہ-1985ء)باب البیوع،70/3504

مزید، الترمذی، محمد بن عیسی، **سنن الترمذی**(مصر: مطبعۃ مصطفی البابی، الطبعۃ الثانیہ-1975ء)/البیوع19/1234

[2] الزحیلی، **الفقہ الاسلامی وادلتہ**، 4/403

المقاول ،فهو استصناع، والصورة الثانية ،ان تكون الارض ملكاًللصانع ،ويطلب منه المستصنع ان يبنى عليها بيتاًاودكاناً، ان صاحب الارض الخالية يعمل خطة لبناءكبيريحتوى على سقق سكنية ،اومكاتب ثم يدعوالناس للاكتتاب،فيدفعون اليه مبالغ ثم يسلم اليهم الشقق بعد اكتمالها، ولكن مايفعله بعض الناس من قبل التسليم فانه لايجوز"[1]

ہمارے دور میں تعمیراتی کام مثلاً گھر مارکیٹ ہاؤسنگ سوسائٹی اور روڈ کی تعمیرات میں معاملہ بیع استصناع پر کیا جاتا ہے جس کی دو صورتیں زیادہ رائج ہیں۔ پہلی صورت یہ کہ زمین مستصنع کی ملکیت ہو اور مالک زمین اس سے عمارت بنوانے کا مطالبہ کرتا ہے اور میٹیریل سارا مالک زمین کا ہو تو یہ اجارہ ہے اور اگر میٹیریل بھی سب صانع کا ہو تو یہ استصناع ہے۔ اور دوسری صورت یہ ہے کہ کہ زمین کا مالک صانع ہو اور مستصنع اس پہ مکان یا دکان کا مطالبہ کرے تو اس خالی زمین کا مالک اس پر ایک بڑی تعمیر کا منصوبہ بنائے تو جو رہائشی گھروں یا دفاتر پر مشتمل ہو پھر وہ لوگوں پیشکش کرے اور پس وہ مبلغ رقوم اس مالک کے حوالے کریں اور تعمیر کے بعد مالک انکے حوالہ کرے لیکن بعض لوگ قبضہ سے پہلے جو کام کرتے ہیں پس وہ جائز نہیں ہے۔

صورت مسئلہ 1

زید کی زمین ہے اور وہ کسی ٹھیکہ دار سے کہہ دے کہ اس زمین پر میرے لیے گھر بناؤ۔ اس صورت میں اگر مکان کا سارا میٹریل زید ہی کی طرف سے ہے تو یہ اجارہ ہے اور اگر میٹریل عمر کی طرف سے تو یہ استصناع ہے۔

صورت مسئلہ 2

زمین عمر کی ہے اور زید اس سے یہ مطالبہ کرے کہ تم اپنی اتنی متعین زمین پر میرے لیے اس قسم کا گھر، مکان، فلیٹ بناؤ۔ جیسا کہ آج کل بڑے پلازوں میں دکانیں بننے سے پہلے بکنگ ہوتی ہے، اسی طرح مکانات اور فلیٹس کی بھی بننے سے پہلے بکنگ ہوتی ہے۔ یہ بھی استصناع ہے۔ لہذا دکان یا فلیٹ / مکان تیار ہونے اور قبضہ میں لینے سے پہلے آگے کسی اور کو بیچنا درست نہیں۔

"لانه بيع غير المملوك"[2]

---

[1] عثمانی، **فقہ البیوع**، 2/604

[2] عثمانی، **فقہ البیوع**، 2/205

ترجمہ: کیونکہ یہ ایک ایسی بیع ہے جو کسی کی ملکیت میں نہیں ہے۔

استصناع کا استعمال اسلامی بینکوں میں پانچ طرح کے فائینانسنگ میں ہوتا ہے ہاؤس فلائنانسنگ، پلانٹ، فیکٹری یا بلڈنگ کی فائنانسنگ ، اپارٹمنٹ کی بکنگ کے لئے فائنانسنگ (BOT Agreement) فائنانسنگ اور بلڈنگ یا پلانٹ کی تعمیر کی فائنانسنگ۔اسلامی بینک استصناع(Manufacturing Contract) کی بنیاد پر دو طرح کے معاہدے کرتے ہیں: پہلی صورت بحیثیت خریدار استصناع کا معاہدہ جو شخص بینک یامالیاتی ادارے سے رقم کے حصول کی خواہش رکھتا ہے اور وہ مینوفیکچر رہے تو بینک یامالیاتی اوا رہ بحیثیت خریدار اس کے ساتھ استصناع کا معاہدہ کرتے ہیں۔جس کا طریقہ یہ ہوتا ہے کہ بینک مینوفیکچر ر کو یہ آرڈر دیتا ہے کہ دوائی کے لئے ان صفات کی حامل چیز تیار کر دے۔اس ضمن میں بینک کی جانب سے جو پیشگی رقم دی جاتی ہے، اسے پیشگی قیمت تصور کیا جاتا ہے مطلوبہ چیز تیار ہونے کے بعد بینک اس کو منافع پر مارکیٹ میں فروخت کرتا ہے۔

مذکورہ طریقہ کار میں اگر بینک خود فروخت کرنے کی بجائے اسی مینوفیکچر رسے معاہدہ کرلے کہ وہ بینک کا ایجنٹ بن کر اس چیز کو مخصوص منافع کے ساتھ فرخت کر کے رقم بینک کے حوالے کرے تو ایسا کرنا شرعی نقط نظر سے جائز ہیں۔چاہے اس چیز کو ضبط تحریر میں لائی گئی ہو یا ذہن میں ہو کیوں کہ اس صورت میں بینک کا کردار محض ایک مالیاتی ثالثی کارہ جاتا ہے۔جس کے ذریعہ وہ نفع حاصل کرتا ہے اور یہ عمل رقم کے سے لین دین پر نفع حاصل کرنے کے مترادف ہے اور سود سے مشابہ ہے،لہذا یہ جائز نہیں۔

((عن عبدالله بن عمروان عن رسول الله ﷺقال:لایحل سلف وبیع ولاشرطان فی بیع ،ولاربح مالم یضمن))-[1] صحیح

ترجمہ: حضرت عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضوراقدس ﷺ نے فرمایا کہ قرضہ اور بیع(کو جمع کرنا) حلال نہیں ،اور نہ بیع میں دو شرطیں لگانا،اورنہ ہی ایسی چیز کا نفع حاصل کرناحلال ہے جو ابھی ضمان میں نہیں آئی۔

ایک اور صورت

جن صارفین کو گھر، آلات، یامشینری وغیرہ کی ضرورت ہوتی ہے،بینک انہیں طے شدہ صفات کے آلات،

---

[1] الترمذي، سنن الترمذي،باب: کراھیة بیع مالیس عندک،کتاب البیوع،ح:1188،1/ 364

گھر اور مشینیری فراہم کرنے کا معاہدہ کرتا ہے اور صارف سے قیمت اقساط میں وصول کرتا ہے۔ یہاں واضح رہے کہ یہ ضروری نہیں کہ بینک وہ چیز یا آلات خود ہی تیار کرے بلکہ متوازی استصناع کے معاہدے کے ذ ریعے کسی تیسرے فریق سے ہی وہ چیز تیار کرواسکتا ہے لیکن اس کے لئے ضروری ہے کہ دونوں معاہدوں میں کوئی باہمی ربط نہیں ہونا چاہئے اور شرعی نقطہ نگاہ سے اتنے کام سے کلائنٹ کو ایجنٹ مقرر کرنا، یا اس سے کام کی نگرانی کروانا بھی صحیح نہیں۔

علامہ سلیمان الاشقر فرماتے ہیں: استصناع متوازی میں دونوں معاہدوں کے باہمی ربط یا خریدار کو متوازی استصناع کے معاہدے کا وکیل بنانے، یا اس پر قبضہ کرنے، تعمیر کی نگرانی کرنے۔ یا کوئی ایسا کردار سونپنے جس سے بینک کا کردار سکڑ کر صرف رقم کے لین دین پر عمل کرنے تک محدود ہو جائے سے پرہیز کرنا چا ہے۔

اسلامی بینکوں میں بیع استصناع

عموما اس طرح کی صورت حال میں صارف بینک کے پاس آتا ہے اور کہتا ہے کہ اس کے لئے ایک بلڈنگ تیار کرے۔ اس ضمن میں وہ بینک کو ایک درخواست بھی پیش کرتا ہے جس میں اس بلڈنگ کی صفات خصوصیات اور نقشہ وغیرہ شامل ہوتے ہیں۔ درخواست کے ساتھ صارف ٹوکن منی کے طور پر کچھ رقم بھی بینک کو جمع کراتا ہے، ضمانت اور ادائیگی کا طریقہ کار کہ آیا یک مشت کرنی ہے، یا قسطوں پر طے کرتا ہے۔ نیز اس کے ساتھ فیزبیلٹی رپورٹ بھی جمع کراتا ہے۔ بینک فزیبلٹی رپورٹ کا ماہرین کے ساتھ جائزہ لیتا ہے۔ اگر بینک صارف کی اس پیشکش سے مطمئن ہے تو وہ اس سے فائنانس کے حوالے سے آخری دستاویزات پیش کرنے کا مطالبہ کرتا ہے اور ضروری ضمانتیں فراہم کرنے کو کہتا ہے ۔ حتمی اتفاق کے بعد صارف اور بینک کے درمیان مینوفیکچرنگ معاہدہ پر دستخط ہوتے ہیں جس میں طرفین کے لئے معاہد ے کی ضروری شرائط کا ذکر ہوتا ہے۔ بینک کی طرف سے صارف کے لیے تعمیر کی جانے والی بلڈنگ کی قیمت، سپردگی کا وقت، ادائیگی کا دورانیہ، معین قسط کی تحدید، ایڈوانس قیمت کی ادائیگی کی صورت میں رقم کا تعین وغیرہ مذکور ہوتا ہے۔

معاہدے کے اہم ترین مشتملات مندرجہ ذیل ہیں:

جب صارف اور بینک کے درمیان استصناع کا معاہدہ طے پاجاتا ہے تو بینک اسٹیٹ ایجنٹ سے اس پروجیکٹ

پر عمل درآمدی کا معاہدہ کرتا ہے، اسے عموما متوازی استصناع کا معاہدہ کیا جاتا ہے یعنی یہ بلڈنگ کوئی تیسرا فریق تعمیر کرے گا جس کو بینک نے منتخب کیا ہے۔ چنانچہ پاکستان کے معروف بینک میزان بینک نے استصناع معاہدے میں جو مراحل ذکر کئے ہیں وہ درج ذیل ہیں:

صارف اور میزان بینک لیمیٹڈ یعنی ایم بی ایل (M.B.L) استصناع کا معاہدہ کرتے ہیں، جس میں ایم بی ایل اپنے کلائنٹ کو آرڈر دیتا ہے کہ ایک مخصوص چیز بینک کے لئے تیار کرے جس کی قیمت کی ادائیگی کیش یا اقساط میں بھی کی جاسکتی ہے۔

سامان کی تیاری کے بعد کلائنٹ بینک کو سامان پہنچا دیتا ہے۔

وصولی سامان کے بعد بینک اسے مارکیٹ میں براہ راست یا کسی ایجنٹ کے ذریعے فروخت کر دیتی ہے۔

اسلامی بینکوں میں رائج استصناع کے طریقہ کار اور صورتوں کا جائزہ لینے کے بعد جو بنیادی باتیں سامنے آتی ہیں وہ یہ کہ اسلامی بینکوں کے پراڈکٹ بھی سقم اور شرعی قباحتوں سے خالی نہیں ہے۔ جس کی نشاندہی ذیل میں کی جاتی ہے۔

1۔ بینک کا تیار کرائی جانے والی چیز کو قبضہ میں لینا۔

۲۔صارف کو ہی وکیل مقرر کرنا۔

اس طریقہ سے واضح ہوتا ہے کہ بینک محض ایک مالیاتی ثالثی کے فرائض انجام دیتا ہے حقیقی کاروبار میں حصہ نہیں لیتا اس سے بینک کا کردار رقم کے لین دین پر نفع حاصل کرنے تک محدود ہو جاتا ہے، اس لیے یہ جائز نہیں۔

بینک میں معاہدہ استصناع اور احکام شرعیہ

شرعی نقطہ نظر سے اس معاہدہ کو صحیح کرنے کے لئے اسلامی بینکوں کے لئے ضروری ہے کہ وہ مینوفیکچرنگ معاہدوں سے شرعی قباحتوں کو دور کریں۔ مثلاً چیز کو مارکیٹ میں بیچنے سے پہلے اپنے قبضے میں لیا جائے اور صارف کو وکیل اور ایجنٹ مقرر نہ کیا جائے۔ استصناع متوازی کرتے ہوئے دونوں معاہدوں میں کوئی باہمی رابطہ نہیں ہونا چاہیے۔

بیعانہ کی رقم

بلاشبہ ائمہ ثلاثہ بلکہ جمہور کے نزدیک عربون یا بیعانہ ضبط کرلینا ناجائز ہے اور ان کے موقف کے دلائل کی

بنیاد سنت ور قیاس پر ہے۔

حدیث میں ہے کہ:

(نَہَی رَسُولُ اَللَّهِ - صلى الله عليه وسلم - عَنْ بَيْعِ اَلْعُرْبَانِ)[1]

ترجمہ: رسول اللہ ﷺ نے عربان کی بیع سے منع فرمایا ہے۔

اسی طرح دوسری حدیث شریف ہے:

(لا يحلُّ سلفٌ وبيعٌ ولا شرطانِ في بيعٍ)[2]

ترجمہ: بیع سلف حلال نہیں ہے اور نہ ہی دو شرط بیع میں ہیں۔

اس حدیث کی روشنی میں امام شوکانی فرماتے ہیں: بیع عربون میں دو فاسد شرطیں ہیں ایک شرط یہ کہ مشتری کے بیع فسخ کرنے کی صورت میں بیعانہ بائع کا ہو جائے گا۔

دوسری شرط یہ ہے کہ مشتری کے راضی نہ ہونے کی صورت میں بیع فسخ کر دی جائیگی اور یہ خیار مجہول ہے اس لئے کہ اس میں مبیع لوٹانے کی شرط بغیر کسی مدت کے تعین کے لگائی گئی ہے بعض علماء نے اس کے ناجائز ہونے کی یہ علت بیان فرمائی کہ اس سے میں لوگوں کا مال باطل طریقے سے کھالیا جاتا ہے، نیز اس میں غرر بھی ہے۔ بعض علماء نے کہ کہا کہ اس بیچ میں بائع کے لئے بالا موقف بیان کی شرط لگادی گئی ہے۔

اس کے برعکس امیر المومنین حضرت عمر، عبد اللہ ابن عمر، مشہور سیلی سعید بن مسیب، امام ابن سیرین، مجاہد، نافع بن عبد انجاش، ابن سلم، امام احمد بن مقبل اور مذاہب اربعہ سے تعلق رکھنے والے ہمارے زمانے کے محقق فقہا، اسے جائز قرار دیتے ہیں اور یہ حضرات اپنے مؤقف پر سنت اور قیاس سے استدلال کرتے ہیں۔ یہ حضرات جواز میں مصنف عبد الرزاق اور سنن بیہقی کی درج ذیل روایات پیش کرتے ہیں:

نافع بن حارث سے مروی ہے کہ:

("إِشْتَرَى دَارًا لِلسَّجْنِ مِنْ صَفْوَانَ بْنِ أُمَيَّةَ بِأَرْبَعَةِ آلَافِ دِرْهَمٍ، فَإِنْ رَضِيَ عُمَرُ فَالْبَيْعُ لَهُ، وَإِنْ عُمَرَ لَمْ يَرْضَ فَأَرْبَعُمِائَةٍ لِصَفْوَانَ")[3] الحكم لايوجد

ترجمہ: نافع بن حارث سے مروی ہے کہ انھوں نے حضرت عمر کیلئے صفوان سے گھر خرید اچار ہزار درہم کا

---

[1] ابن البیع، احمد بن عبد اللہ، **المستدرک** (دار المعرفۃ: مصورا عن الطبعۃ الھندیۃ، 1335، الطبعۃ الثالثۃ) 2/17

[2] ایضاً، ح: 1530

[3] ابن ابی شیبہ، عبد اللہ بن محمد، **مصنف ابن أبي شيبة** (الریاض: مکتبۃ الرشد، 1409، الطبعۃ: الأولی)، باب: فِي الْعُرْبَانِ فِي الْبَيْعِ، ح: 23201

پس اگر عمر اس بیع سے راضی ہوئے تو فبھا اور اگر راضی نہ ہوئے تو چار سو درہم صفوان کے ہونگے۔
ازروئے قیاس بالغ کے لئے فسخ بیع کی صورت میں بیعانہ لینا اس لئے جائز ہے کہ دراصل مشتری کی جانب سے تعطل اور بلاوجہ انتظار کروانے کا معاوضہ ہے۔ مذکورہ اثر سے ماضی میں استدلال بھی کیا جاتا رہا ہے۔ چنانچہ عمرو بن دینارؒ[1] اسی پر فتوی دیا کرتے تھے اور اسی اثر سے استدلال بھی کرتے تھے، اسی طرح امام اعاصمؒ بھی اس سے استدلال کیا کرتے تھے۔ اس حدیث کی تقویت حضرت عمر بن الخطاب کے دور میں ایک گھر خریدنے والے واقعے سے ہوتی ہے جو انہوں نے صفوان بن امیہ سے خریدا تھا جو کہ اہل علم کے درمیان اور محدثین کتابوں میں مشہورہ ہے روایات کی روشنی میں جواز اور عدم جواز کے دونوں پہلو سامنے آتے ہیں لیکن علماء کا عمل اور فقہاء کی آراء اور خاص طور سے دور حاضر میں استصناع میں کروڑوں کا معاملہ ہوتا ہے، کی روشنی میں جواز غالب معلوم ہوتا۔ اس لئے کہ اگر عدم جواز کی راہ اپنائی جائے تو نقصان ہونے کا اندیشہ ہے۔

استصناع بطریقہ تمویل

بیع استصناع کو مخصوص معاہدوں میں تمویل کی سہولت فراہم کرنے کے لئے استعمال کیا جاسکتا ہے خاص طور پر ہاؤس بلڈنگ فائنانس کے شعبے میں۔ اس کی تعریف کرتے ہوئے شیخ وہبہ زحیلی لکھتے ہیں کہ:
" النظام المالي الذي يُعنى بإدارة الأموال بكفاءة، وفي أبسط مفاهيمه فهو عادةً ما يتم تصنيفه على أنّه أحد فروع الاقتصاد التطبيقي."[2]
ترجمہ: "ایک ایسا مالیاتی نظام جس کا تعلق پیسے کے مؤثر طریقے سے انتظام کرنے سے ہے، اور اس کی آسان ترین اصطلاحات میں، اسے عام طور پر لاگو معاشیات کی شاخ کے طور پر درجہ بندی کیا جاتا ہے۔"
اگر کلائنٹ کے پاس اپنی زمین ہے اور وہ گھر کی تعمیر کے لئے تمویل پاتا ہے تو تمویل کار اس کھلی زمین پر استصناع کی بنیاد پر گھر تعمیر کروانے کی ذمہ داری قبول کر سکتا ہے اور اگر کلائنٹ کے پاس اپنی زمین نہیں ہے اور وہ زمین بھی خریدنا چاہتا ہے تو بھی تمویل کار یہ ذمہ داری قبول کر سکتا ہے کہ وہ اسے زمین کے ایسے قطعہ پر تعمیر شدہ گھر مہیا کرے گا جس کی تفصیلات پہلے سے طے کرلی گئی ہوں۔ چونکہ استصناع میں یہ

---

[1] عمرو بن دینار کبار تابعین میں سے ہیں۔ عمرو نام، ابو محمد کنیت، باذان عجمی کے غلام تھے۔ 46ھ میں پیدا ہوئے۔ علمی اعتبار سے مکہ کے اکابر علما میں تھے، حافظ ذہبی انہیں حافظ، امام اور عالم حرم لکھتے ہیں۔

[2] زحیلی، **الفقہ الاسلامی وادلتہ**، 5/234

ضروری نہیں کہ قیمت پیشگی ادا کی جائے اور یہ بھی ضروری نہیں کہ مبیع کے حوالگی کے وقت ادا کی جائے بلکہ قیمت فریقین کے طے شدہ معاہدے کے مطابق کسی بھی وقت تک موجل ہو سکتی ہے۔ اس لئے فریقین جس طرح چاہیں قیمت کی ادائیگی کا وقت اس کے مطابق طے کیا جاسکتا ہے قیمتوں کی ادائیگی قسطوں میں بھی ہو سکتی ہے۔ یہ بھی ضروری نہیں کہ تمویل کار گھر کی خود تعمیر کرے کہ وہ کسی تیسرے فریق کے ساتھ استصناع کے معاہدے میں بھی داخل ہو سکتا ہے

یا وہ کسی ٹھیکے دار کی خدمات بھی لے کر سکتا ہے (جو کلائنٹ کے علاوہ ہو دونوں صورتوں میں وہ لاگت کا حساب لگا کر سکتا ہے کہ اس سے اسے لاگت پر معقول میں کلائنٹ کی طرف سے قسطوں کی ادائیگی عین اس وقت سے بھی شروع ہو سکتی ہے اس صورت ہے جب فریقین نے معاہدے پر دستخط کئے ہیں اور کے دوران اور مکان کلائنٹ کے حوالے کئے جانے کے بعد بھی جاری رہ سکتی ہیں، قسطوں کی ادائیگی محفوظ بنانے کے لئے زمین یا مکان یا کسی اور جائیداد کا ملکیت نامہ آخری قسط کی برائنگی یک تمویل کار کے پاس بطور توریت کے رکھا جاسکتا ہے۔

تمویل کار کی یہ ذمہ داری ہو گی کہ وہ معاہدے میں طے شدہ بیانات کے بالکل مطابق مکان تعمیر کرے کسی بھی فرق کی صورت میں ہر ایا خرچہ بوائے کی معیار کے کی نیت کا ان کا معاہدے کی شرائط کے مطابق بنانے کے لئے ضروری ہو تمویل کار کو برداشت کرنا پڑے گا۔ اطلاع کے ذریعے کو منصوبوں کی تمومی (Project Financing) کے لئے بھی انہی خطوط پر استعمال کیا جاسکتا ہے۔ اگر کوئی کلائنٹ اپنی فیکٹری میں ائیر کنڈیشن پلانٹ لگوانا چاہتا ہے اور پلانٹ تیار کرنے کی ضرورت ہے تو تمویل کار استصناع کے معاہدے کے ذریعے پہلے بیان کردہ طریق کار کے مطابق پلانٹ مہیا کرنے کی ذمہ داری قبول کر سکتا ہے اسی طرح استصناع کے معاہدے کو کسی اور بنیادوں پر بھی تشکیل دیا جاسکتا ہے۔ حکومت ایک ہائی وے تعمیر کرنا چاہتی ہے تو وہ سڑک بنانے والی کمپنی کے ساتھ یہ عقد کر سکتی ہے اور قیمت کے طور پر اسے مخصوص مدت تک شاہراہ کو چلانے کا اختیار دیا جاسکتا ہے۔

عصر حاضر بیع استصناع میں وسعت کی صورتیں

ماضی میں استصناع کے ذریعہ سامان بنوانے کا رواج کم تھا اور اس کا دائرہ محدود تھا، اس لئے فقہاء کرام نے اس عقد کے تحت معمولی اشیاء کو ذکر کیا ہے، مثلاً تیر، تلوار، چھری، موزے، ٹوپی، پیالہ، جگ، تانبے کی

بوتل،لوہے،پیتل،اور تانبے ،سے بنائے جانے والے دیگر برتن وغیرہ، لیکن ساتھ ہی فقہاء کرام کی عبارات میں اس کی صراحت ملتی ہے کہ ان تمام چیزوں میں استصناع جائزاور درست ہو گا، جن میں تعامل ہو خواہ وہ چیزیں معمولی ہو، یا غیر معمولی، منقولی ہو یا غیر منقولی، جیسے موزے، دستانے، ٹوپی، مکان، پلاٹ ، فیکٹریاں وغیرہ، چنانچہ آج کے دور میں راستوں کے تعمیر و مرمت، گھر، اور بلڈنگ کی تعمیر، سمندری ، ہوائی جہاز، اسلحہ سازی، اور دفاعی نظام وغیرہ سے لے کر روزمرہ کے استعمال کی چیزوں تک ہر معاملہ میں استصناع جاری ہو سکتا ہے، نیز اگر استصناع سے ہونے والے معاملات کی تاریخ پر نگاہ ڈالی جائیں تو نتائج بڑے حیرت انگیز نظر آئیں گے ،مثال کے طور پر (البنک الاسلامی للتنمیۃ) (Islamic Dvelopment Bank) کی 2003 میں ہونے والی ایک میٹنگ میں استصناع کو جاری کرنے کے فوائد شمار کرواتے ہوئے بتایا گیا، کہ انڈونیشیا میں 31 ملین ڈالر کی بطریقہ استصناع سرمایہ کاری کی گئی، جن کا مقصد انڈونیشیا کی اسلامی یونیورسٹی کی توسیع وترمیم اور اس میں واقع شعبہ جات وغیرہ میں اضافہ کرنا تھا،اسی طرح جنوبی امریکہ سے قریب "سرینام(Surinam)نامی ملک کے دار الحکومت "پارامارپبو" میں 65 ملین ڈالر کی سرمایہ کاری کی گئی، اس کا مقصد اس علاقہ میں کینسر کے علاج کی خاطر ایک میڈیکل کالج قائم کرنا اور مریضوں اور طلبہ کے لئے وسائل مہیا کرنا تھا، نیز شمال افریقہ کی مشہور سلطنت "مراکش: میں 27 ملین ڈالر کی بطریقہ استصناع سرمایہ کاری کی گئی جس سے شہروں اور دیہاتوں میں (water sewerage system)(نکاسی آب کا نظام) قائم کیا گیا، مزید یہ کہ 7۔7 ملین ڈالر کے قرض حسنہ جاری کئے گئے، جن کی واپسی کی مدت 25 سال طے کی گی اور اس میں مہلت کی اضافی مدت سال رکھی گئی، جب کہ 15 ملین ڈالر خاص سرمایہ کاری میں استعمال کے گئے، اسی طرح لبنان میں 37،5 ملین ڈالر کی سرمایہ کاری کی گئی جس سے بیروت شہر کے انفراسٹرکچر کو بہتر بنایا گیا، گندے پانی اور بارش کے پانی کی نکاسی کے بہتر انتظامات کئے گئے شہر بھر سے چھوٹے، بڑے راستوں کو دوبارہ تعمیر کیا گیا، اور راستوں پر روشنی اور شجر کاری وغیرہ کا انتظام بھی کیا گیا۔[1]

البتہ جن میں تعامل نہ ہو، ان میں استصناع جائز نہیں ہو گا، کیونکہ استصناع کو تعامل الناس اور ضرورت کی وجہ سے جائز قرار دیا گیا ہے

---

[1] محمد ایوب، **اسلامی مالیات اسلامی بینکاری اصول اور تطبیق**، (رفاہ سینٹر-جون:2010ء)343/1

چنانچہ الدکتور وہبۃ الزحیلی رحمہ اللہ لکھتے ہیں۔

"ثم انتشر الاستصناع انتشارا واسعا في العصر الحديث، فلم يعد مقصورا على صناعة الأحذية والجلود والنجارة والمعادن والأثاث المنزلي من مفروشات وغيرها من الخزائن والمقاعد والمساند والصناديق، وإنما شمل صناعات متطورة ومهمة جدا في الحياة المعاصرة كالطائرات والسفن والسيارات والقطارات وغيرها،وإنما يشمل أيضا إقامة المباني وتوفير المساكن المرغوبة.... ومن أبرز الأمثلة والتطبيقات لعقد الاستصناع بيع الدور والمنازل والبيوت السكنية على الخريطة ضمن أوصاف محددة، فإن بيع هذه الأشياء في الواقع القائم لا يمكن تسويغه إلا على أساس الوعد الملزم بالبيع أو على عقد الاستصناع، ويعد العقد صحيحا إذا صدرت رخصة البناء، ووضعت الخريطة، وذكرت في شروط العقد مواصفات البناء، بحيث لا تبقى جهالة مفضية إلى النزاع والخلاف، وقد أصبح من السهل ضبط الأوصاف، ومعرفة المقادير، وبيان نوع البناء"[1]

ترجمہ: پھر عصر حاضر میں وسعت آئی، اور اب استصناع صرف جوتوں، چمڑوں، معدنیات، سے بنے ہوئے سامان، گھریلوی اشیاء، مثلاً قالین، الماری، صوفے، مسند، اور صندوق، کے بنانے تک محدود نہیں رہابلکہ استصناع نے جدید صنعتوں کا بھی احاطہ کرلیاہے، جو جدید دور میں بڑی اہمیت رکھتی ہے، جیسے، ہوائی جہازوں، کشتیوں، گاڑیوں، اور ریلوے کی صنعت وغیرہ بلکہ استصناع رہائشی گھروں اور عمارات کو بھی شامل ہے، اوراستصناع کی واضح مثال گھروں، عمارتوں اور رہائشی فلیٹس کی خرید وفرخت ہے جو مقررہ اوصاف کے مطابق نقشہ پر ہوتی ہے درحقیقت ان تمام اشیاء کی خرید وفرخت کی گنجائش نہیں ہے، مگر وعدہ کی بنیاد پر جو بیع کو لازم ہوتاہے یاعقد استصناع پر، چنانچہ عقد کو صحیح شمار کیاجاتاہے، جب عقد کی تمام شرائط بیان کردی جائیں، اور عمارت کانقشہ پیش کردیاجائے تاکہ جھگڑے تک پہنچانے والی جہالت باقی نہ رہے ، اور اوصاف کوضبط میں لانا آسان ہوچکاہے، سائز اور حیثیت کا پتہ لگاناعمارت کی نوع اور قسم کو متعین کرنا بھی آسان ہے۔

لیکن سوال یہ ہے کہ کس کے تعامل اورعرف کااعتبار ہوگا؟ آیا استصناع میں صرف تعامل قدیم کااعتبار کیاجائے گا؟ یاپھر تعامل حادث کا بھی اعتبار ہوگا؟

---

[1] الزحیلی، الفقہ الاسلامی وادلتہ، 4/402

اس بارے میں کچھ ضروری وضاحت ملاحظہ ہو۔

عرف عملی

عرف عملی وہ ہے جسے کبھی تعامل اور عادت کے الفاظ سے تعبیر کیا جاتا ہے، یہ بھی بعض احکام کی تبدیلی میں مؤثر ہوتا ہے، لیکن شریعت میں ہر تعامل معتبر نہیں ہے۔[1]

ابن عابدین رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

"اذاخالف العرف الدلیل الشرعی ،فان خالفه من کل وجه بان لزم منه ترک النص فلاشک فی رده ،کتعارف الناس کثیراًمن المحرمات من الرباءوشرب الخمر ،ولبس الحریر والذہب وغیرہ ذلک ،مما وردتحریمه نصاً،وان لم یخالفه من کل وجه ،بان ورد الدلیل عاماوالعرف خالفه فی بعض افراده ،اوکان الدلیل قیاساًفان العرف معتبراًان کاعاماً،فان العرف العام یصلح مخصصاً ۔۔به القیاس کماصرحوا به فی مسالة الاسستصناع ،ودخول الحمام والشرب من السقاء"[2]

ترجمہ: جب عرف کسی شرعی دلیل کے خلاف ہو تو اگر یہ مخالفت مکمل طور پر ہے تو اس عرف سے نص کو ترک کر دینا لازم آتا ہو تو ایسے عرف کے مردود ہونے میں کوئی شک نہیں جیسے لوگوں کے ہاں بہت سی حرام اشیاء، مثلاً سود، شراب پینا، ریشم اور سونا پہننا اور دیگر ناجائز کاموں کا عرف ہے جن کی صراحت نص میں آئی ہو، اور اگر عرف ہر اعتبار سے نص کے مخالف نہ ہو اس طرح کے دلیل عام آئی ہو اور عرف اس کے بعض افراد میں اس کا مخالف ہو یا دلیل قیاس پر مبنی ہو تو ایسی صورت میں اگر عرف عام تخصیص کی صلاحیت رکھتا ہو تو ایسے عرف کی وجہ سے قیاس کو چھوڑ دیا جاتا ہے، چنانچہ فقہاء کرام سے استصناع، دخول حمام اور مشکیزہ سے پانی پینے کے مسائل میں اس کی صراحت ملتی ہے۔

مفتی محمد تقی عثمانی لکھتے ہیں:

" المراد من التعامل فی الاستصناع ،ومما ینبعی ذکره تعین المراد بالتعامل المشروط لصحة الاستصناع هل یجب لتحقق ذلک ان یکون فیه تعامل منذ عهد الصحابة والتابعین ،ام یعتبر التعامل الحادث ایضاً؟ان العرف الحادث معتبر کالعرف القدیم ،وعلی هذا اجری نه عمل العلماء فی کل زمان ،لان ماصرحوا بجواز الاستصناع فیه

[1] عثمانی، محمد تقی، **اصول الافتاءوآدابہ**، (کراچی: مکتبہ معارف القرآن 2011ء)، 300

[2] الحاکم النیسابوري، محمد بن عبد اللہ، **مجموعہ رسائل ابن عابدین**، (بیروت: دار الفکر، الطبعة: الثانیة، 1992) 2/124

بالتعامل ،مثل اوانی الحدید والرصاص والنحاس، والزجاج والخفاف ولجم الحدید للدواب ،والسکاکین ،والنبال والسلاح کله لم یثبت فی کل واحد واحد من هذه الاشیاء التعامل منذ عهد الصحابة والتابعین ،وانماجری فیهاالتعامل شیاًفشیاً،وقد حکم العلماء بالصحة فی کل ماجری به التعامل فی عہدہم ولذلک ذکر اصحاب المجلة من المدافع والبواخر ،وظاہر انها لم تکن موجودة فی عہدالصحابةوالتابعین ،وکذلک جری العمل الیوم بالاستصناع فی المبانی الکبیرة وغیره ها من غیرنکیر العلماء ،فظہر ان التعامل الحادث معتبر فی جواز الاستصناع۔"1

ترجمہ:استصناع میں تعامل سے مراد یہ ہے کہ استصناع میں تعامل کی مراد کی تعین کرنامناسب ہے جو استصناع کی صحت کے لئے شرط ہے، کیااستصناع میں اس تعامل کاہوناضروری ہے جو صحابہ کرام اور تابعین کرام کے دورسے چلا آرہاہے ،یاتعامل حادث کابھی اعتبار کیاجائے گا،جس طرح عرف قدیم کااعتبار کیاجاتاہے ،اور اسی پر ہر دور کے علماء کرام کاعمل چلا آرہاہے ،علماء کرام نے ہر چیز میں استصناع کی جواز تصریح فرمائی ہیں ،جس میں لوگوں کے درمیان تعامل چلا آرہاہے ،مثلاً،لوہے ،سیسے ،تانبے اور شیشے کے برتن موزے ،جوتے ،جانور کے لئے لوہے ،کے لگام ، چھری ، تیر ،اور ہر قسم کے ہتھیاروغیرہ ان تمام اشیاء میں سے ہر ایک میں صحابہ کرام اور تابعین کرام کے دور میں بیک وقت تعامل ثابت نہیں رہا،بلکہ وقتاًفوقتاًلوگوں کے درمیان تعامل چلا آرہاہے اور علماءنے ہر اس چیز میں استصناع کی صحت کی حکم جاری فرمایاہے جن میں ان کے دورمیں لوگوں کے درمیان اس کاتعامل رہااوراسی وجہ سے اصحاب المجلۃ نے استصناع کاذکر ان اشیاء میں کیاہے جوبڑے بڑے کارخانوں میں تیار کیے جاتے ہیں۔ مثلاًسمندری جہاز،اور اسی طرح عصرحاضر میں استصناع کاعمل جاری ہے بڑی عمارتیں بنانے میں علماء کرام نے اس کوجائز قراردیاہے ،ظاہر ہے کہ یہ صحابہ کرام اور تابعین کرام کے زمانے میں نہیں تھے پس ظاہر ہوا کہ استصناع میں تعامل حادث کابھی اعتبار ہوگا۔

خلاصہ کلام یہ ہے جس طرح تعامل قدیم کااعتبار کیاجاتاہے اسی طرح تعامل حادث کابھی اعتبار ہوگا۔

استصناع کو حصول نفع کے لئے بطور تمویل استعمال کرنے کاطریقہ اور اس کاحکم

استصناع موازی

---

[1] عثمانی محمد تقی، **فقہ البیوع**،1/598

مالی معاملات نے دور جدید میں کافی وسعت اختیار کرلی ہے ،اس لئے اسلامی مالیاتی ادارے (غیر سودی بینک)استصناع کی ایک خاص شکل کے ذریعہ منافع حاصل کرتے ہیں، جسے استصناع متوازی کہاجاتاہے،یہ عقد حقیقت میں دوعقدوں سے مرکب ہوتاہے ،ایک وہ عقد جوادارہ (بینک)سامان خریدنے والے کے ساتھ کرتاہے ،،ادارہ کی حیثیت اس میں صانع کی ہوتی ہے،دوسرا وہ عقد جوادارہ کسی کمپنی یاسامان بنانے والے کے ساتھ کرتاہے تاکہ ادارہ فریق اول سے طے کی ہوئی اشیاء کوتیار کرائے،اس صورت میں ادارہ کی حیثیت مستصنع کی ہوتی ہے،یعنی یہ معاملہ بنیادی طورپر تین فریقوں کے درمیان ہوتاہے ،اورادارہ کی حیثیت درمیان فریق کی ہوجاتی ہے ،کیونکہ مالیاتی ادارہ ایک شخص سے آرڈر حاصل کرتاہے اوردوسرے شخص کوخودآرڈردیتاہے ،اوردونوں کی قیمت میں ایسافرق رکھتاہے کہ پہلے شخص سے جوزیادہ رقم حاصل ہووہ اس کانفع ہوجائے ،مثلاًایک شخص نے اسلامی بینک سے کہاکہ مجھے رہنے کے لئے ایک مکان چاہئے ،بینک اس شخص سے معاملہ کرلیتاہے کہ ہم آپ کوایک سال میں فلاں فلاں سہولیات سے آرستہ مکان تیار کرکے دس لاکھ میں دیدیں گے ،وہ شخص اس کوقبول کرلیتاہے ثمن کی ادائیگی چاہے فی الحال کرلے یاقسط وار کردے ،اس کے بعد بینک مکان بنانے والی کمپنی سے رابطہ کرکے ایک مکان جوانہی صفات کاحامل ہوجوفریق اول کے ساتھ طے ہوئی ہیں بنوانے کامعاملہ طے کرلیتاہے ،اور اس کاثمن اداکردیتاہے ،مثلابینک کمپنی سے وہ مکان آٹھ لاکھ (800000)میں تیار کراتاہے بینک فریق اول سے تولیتاہے دس لاکھ(1000000)اور کمپنی کو دے رہاہے آٹھ لاکھ(800000)چنانچہ بینک کوجودولاکھ (200000)منافع صاصل ہواوہ شرعی لحاظ سے بالکل جائزہے۔

چنانچہ فقہ المعاملات میں ہے۔

" الاستصناع الموازی :معناہ ان یعقد المصرف مثلاًبخصوص السلعة الواحدة عقدین احدھمامع الراغب فی السلعة یکون المصرف فیہ دور الصانع ،والاخر مع القادر علی الصناعة لیقوم بانتاج سلعة مطابقة فی المواصفات والتصامیم الشروط للمذکورة فی العقد الاول ویکون البنک ھنا،دورالمستصنع یمکن ان یکون الثمن فی العقد الاول موجلاء وفی العقد الثانی معجلاًفتکون فرصة التمویل للبنک مضاعفة۔"[1]

---

[1] عثمانی، فقہ المعاملات(641/2)مزید اسلام اور جدید معاشی مسائل(72/4)

مزید المعاییر الشرعیۃ، عقد الاستصناع وصورۃ المعاصرۃ(302)

ترجمہ:

استصناع موازی کا مطلب یہ ہے کہ بینک مثال کے طور پر ایک شے کے بارے میں دو معاہدے کرے ایک اس کے ساتھ جو مبیع بنانے میں دلچسپی رکھتا ہو یہاں بینک صانع کے طور پر ہو گا اور دوسرا کسی کمپنی یا تیسری پارٹی کیساتھ جو پہلے معاہدے میں بیان کردہ شرائط کی وضاحتوں اور ڈیزائن کے مطابق اشیاء تیار کرنے کے قابل ہو اور بینک یہاں مستصنع کے طور پر کام کرے گا۔ یہ بھی ممکن ہے عقد اول میں ثمن ادھار ہو اور عقد دوم میں نقد ہو پس اس طرح تمویل کا وقت بینک کے لئے دہرا ملے گا۔

استصناع موازی کی شرائط

استصناع موازی کے درست ہونے کے لئے مندرجہ ذیل شرائط کا پایا جانا ضروری ہے۔

پہلی شرط

استصناع موازی کی صحیح ہونے کے لئے ضروری ہے کہ دونوں عقد منفصل ہوں، یعنی ان کے درمیان کوئی ربط نہ ہوں، ایک دوسرے کے ساتھ مشروط نہ ہوں، اور ایک دوسرے پر موقوف نہ ہوں، یعنی پہلا عقد جو پہلے فریق اور مالیاتی ادارے اور دوسرے فریق کے درمیان ہوا ہے، ان دونوں کے درمیان کوئی تعلق نہ ہو، اگر دوسرا فریق مالیاتی ادارے کے ساتھ کیا ہوا معاہدہ، پورا نہ کرے تب بھی مالیاتی ادارہ پہلے فریق کے ساتھ کیا ہوا معاہدہ پورا کرے۔

مفتی تقی عثمانی لکھتے ہیں:

"اویعقد مع آخر استصناعاً موازیاً ،ولکن یجب ان لایکون هناک ربط بین العقد ین وان تکون الحقوق والاالتزامات الناشة عن الاستصناع الموازی مستقلة عن الاستصناع الاول ،بمعنی ان الصانع ان اخل بالتزاماته فی الاستصناع الموازی ،فان الصانع فی الاستصناع الاول لایتحلل من التزاماته۔"[1]

ترجمہ: یا کسی دوسرے کے ساتھ استصناع موازی کا معاہدہ کیا جائے لیکن ضروری یہ ہے کہ دونوں عقود کا آپس میں کوئی ربط نہ پایا جائے اور اس طرح تمام شرائط و قیود معاہدہ اول سے یکسر مستقل طور پر الگ

---

[1] عثمانی، **فقہ البیوع**، 1/605

ہونگے اس طرح کہ اگر استصناع کے پہلے والے معاہدے میں کوئی خلل بھی آجائے تو دوسرا معاہدہ متاثر نہ ہو۔

دوسری شرط

"یجب ان یکون کل من العقدین منفصلاًعن الآخر وغیر مبنی علیه ،فتکون مسئولیة المصرف ،ثابتة قبل المستصنع ولاشان للمستصنع بالصانع فی القعد الثانی اذالم یقم الصانع بالعمل اولم ینجزه فی الموعد فعلی المصرف انجازه" -[1]

ترجمہ:

استصناع موازی کے صحیح ہونے کے لئے یہ بھی ضروری ہے کہ مالیاتی ادارہ (بینک وغیرہ) مستصنع کو صانع کے ساتھ عقد کرنے یا کام کی نگرانی کرنے یا مصنوع پر قبضہ کرنے کا وکیل نہ بنائے ،کیونکہ مالیاتی ادارہ وغیرہ کی حیثیت اصل میں مستصنع کی ہے کہیں قرض دیکر فائدہ اٹھانے والے کی نہ ہو جائے اور قرض دیکر فائدہ حاصل کرنا سود ہے لہٰذا یہ معاملہ سود بن جائے گا۔

فقہ المعاملات میں ہے۔

"یجب ان لایکلف المصرف المستصنع بالتعاقد او متابعته ،ولایوکله بالاشراف علی المصنوع او قبضه ،او نحو ذلک ،وهذان الامران لئلایتقلص دور المصرف فی العملیة الصناعیة ویتحول من مستصنع حقیقة الی مقرض بالفائدة"[2]

ترجمہ:

مینو فیکچرنگ بینک کو مینو فیکچرر کو معاہدہ کرنے یا اس کی پیروی کرنے کے لئے تفویض نہیں کرنا چاہئے، اور نہ ہی اسے تیار شدہ مصنوعات کی نگرانی کرنے یا اس پر قبضہ کرنے یا اس طرح کی چیزوں کو سونپنا چاہئے، اور یہ دو معاملات ہیں ایسا نہ ہو کہ صنعتی عمل میں بینک کا کردار کم اور تبدیل ہو جائے اور حقیقی صنعتکار کی بجائے دوسرے شخص کو فائدہ ہو۔

استصناع موازی کے جواز کی دلیل

اگر استصناع میں مذکورہ بالا شرائط پائی جا رہی ہیں تو پھر یہ عقد درست ہو گا، کیونکہ استصناع کے تحقق کے

---

[1] ایضاء 64/2

[2] ایضا: 65/2

لئے ایسی کوئی شرط فقہاء کرام نے نہیں لگائی ہے جس سے یہ لازم آتا ہو کہ یہ عقد اسی کے ساتھ ہو گا جو اس چیز کو خود تیار کرے بلکہ اگر کوئی شخص خود کاریگر نہیں ہے اور مستصنع اس کے ساتھ عقد استصناع کا معاملہ کرے پھر یہ شخص جو خود کاریگر نہیں ہے کسی دوسرے سے مستصنع کی مطلوبہ چیز تیار کروا کے مستصنع کے حوالے کر دے تو بھی شرعاً یہ عقد درست ہو جائے گا۔

چنانچہ فتاویٰ عالمگیری میں کافی کے حوالے سے یہ نقل کیا گیا ہے۔

"والاصح ان المعقود عليه، المستصنع فيه ولهٰذا لو جاء به مفروغاًعنه لامن صنعة او من صنعة قبل العقد جازكذافى الكافى"[1]

ترجمہ:

اور زیادہ صحیح یہ ہے کہ معقود علیہ تیار کی جانے والی چیز ہے اور کیونکہ اگر کوئی تیاز چیز لے آیا جو اس نے نہیں بنائی یا اپنی بنائی ہوئی چیز لایا عقد سے پہلے تو بھی جائز ہے

کیا استصناع کا معاہدہ کرنے والی کمپنی وہ کام کسی اور سے کرواسکتی ہے؟

بلڈنگ وغیرہ بنانے والی کمپنی سے کسی شخص نے معاہدہ کیا کہ میں آپ سے گھر، دوکان، جو ان صفات کا حامل ہو بنوانا چاہتا ہوں اس کمپنی نے آرڈر تو لے لیا لیکن وہ کام بعد میں اپنا منافع رکھ کر کسی اور کو دے دیا کہ اس معیار کے مطابق گھر تیار، کر دو، تو ایسا کرنا جائز ہے فقہاء کرام نے اس مسئلہ کو اجارہ کے مسئلہ سے تشبیہ دی ہے کہ ایک شخص کسی کو اجرت اور مزدوری پر کوئی کام کرنے کو دیتا ہے کہ پیسے لے لو اور میرا گھر تعمیر کر دو مزدور نے انہی پیسوں میں یا ان سے کچھ زیادہ میں وہ کام آگے کسی اور کے حوالے کر دیا فقہاء کرام نے اسے جائز قرار دیا ہے بشرطیکہ وہ تیسرا شخص انہی صفات کی حامل چیز تیار کرے جس کا آرڈر دیا گیا ہے، کیونکہ استصناع میں راجح قول کے مطابق معقود علیہ مصنوع یعنی وہ چیز ہے جو بنا کر دی جاتی ہے صانع کا عمل نہیں ہے لیکن ذمہ داری اسی مزدور پر ہو گی جس سے مستصنع نے معاہدہ کیا ہے، ہاں اگر مستصنع عقد میں یہ شرط لگاتا ہے کہ گھر فلاں کمپنی نے بنانا ہے، یا پھر فلاں کمپنی میں کام کرنے والے فلاں شخص نے تیار کرنا ہے تو اس صورت میں کسی اور کو وہ کام نہیں دے سکتا ہے، خود تیار کرنا پڑے گا۔

چنانچہ فقہ البیوع میں مذکور ہے کہ:

---

[1] نظام الدین وجماعتہ، الفتاوی الھندیۃ، باب فی الاستصناع (3/208)

ويجوز للمستصنع اشتراط ان يصنعه الصانع بنفسه ،فاذاشترط ذلك وقبله الصانع وجب عليه بنفسه فلايجوز له ان يفوض العمل الى غيره ،۔۔وذلك لان الاستصناع ياخذحكم الاجارة من وجه ،واذاشترط المستاجر عمل الاجير بنفسه ،جاز هذالشرط،فكذالك فى الاستصناع ،امااذالم يكن هناك شرط من المستصنع ان الصانع يصنعه بنفسه فيجوز له ان يفوض العمل الى غيره ۔[1]

ترجمہ:

اور مستصنع کیلئے جائز ہے کہ وہ یہ شرط لگائے کہ صانع یہ کام خود کرے گا اگر اس نے یہ شرط لگائی اور صانع نے قبول کر لیا تو اس پر بنفسہ عمل کرنا واجب ہے اور یہ کام وہ کسی اور کے حوالے نہیں کر سکتا ہے۔ اور یہ اس لئے کہ استصناع اجارہ کا حکم لیتا ہے جیسے کہ مستاجر یہ شرط لگائے کہ اجیر بنفسہ کام کرے گا تو یہ شرط شرعا درست ہے پس اسی طرح استصناع میں بھی جائز ہے کہ وہ عمل کو کسی نفس کے ساتھ محدود کرے یا کسی معیار کیساتھ شرط لگائے۔

اسی طرح معاییر الشرعیۃ میں ہے:

"يجوز ان يشترط فى عقد الاستصناع ان يتم الصنع من الموءسسة نفسها،وفى هذه الحالة يجب عليهاالتقيد بذلك ،ولايحق لها ان تعهد تسليم ماصنعه هو قبل ابرام عقد الاستصناع ،اوماضعه غيره اذالم يشترط عليه الصنع بنفسه"[2]

ترجمہ:

عقد استصناع میں یہ شرط عائد کرنا جائز ہے کہ تیاری خود اسٹیبلشمنٹ کی طرف سے کی گئی ہے، اور اس صورت میں اسے اس کی پابندی کرنی ہو گی، اور اسے یہ حق حاصل نہیں ہے کہ اس کی تیاری کے اختتام سے پہلے اس کی ترسیل کا ذمہ لے۔ اسصتناع کا معاہدہ، یا اسے کسی اور کے ذریعہ رکھنا، اگر وہ خود تیاری کی شرط نہ لگائے۔

اسلامی بینکوں میں استصناع کا طریقہ کار

جدید سرمایہ دارنہ نظام معیشت میں سود وہ واحد ذریعہ ہے جسے ہر قسم کی تمویل (فراہمی سرمایہ) کے لئے

---

[1] عثمانی، فقہ البیوع 1/605

[2] النجدی، عبدالرحمٰن، **المعاییر الشرعیۃ** (مصر: مطبعۃ مصطفی البابي، الطبعۃ: الثانيۃ، 1975)، 299، مزید دیکھئے، عثمانی، **فقہ المعاملات**، 1/242

سودی بینکوں میں استعمال کیاجاتاہے ،اسلام میں سود چونکہ حرام ہے ،اس لئے اسے کسی قسم کی تمویل (financing) کے لئے استعمال نہیں کیاجاسکتاہے اسلامی بینکنگ کامسئلہ بڑااہم مسئلہ ہے کسی زمانے میں قوموں کی شکست وفتح کے فیصلے جنگ کے میدان میں ہواکرتے تھے لیکن آج کل معیشت کے میدان میں ہواکرتے ہیں، ستر (70) کی دہائی سے عالم اسلام میں اسلامی اصولوں پر مالیات کے نظام کی کوشش شروع کی گئی ،اسلامی اصولوں پر مبنی معیشت میں مرابحہ ،اجارہ، مضاربہ ،مشارکہ ، سلم اوراستصناع یہ وہ طریقے ہیں جواسلامی بینک حصول نفع کے لئے بطور تمویل کے اس وقت استعمال کررہے ہیں اور اس میں استصناع کوبڑی اہمیت حاصل ہے، کیونکہ استصناع کے ذریعہ بہت بڑے بڑے معاملات انجام پاتے ہیں اور کاروبار کرنے کے مواقع ملتے ہیں ذیل میں اسلامی بینکوں میں استصناع کاطریقہ اور شرعی حکم ذکرکیاجاتاہے۔

(1)۔ صارف بینک کے پاس آتاہے ،اوروہ کہتاہے کہ اس کے لئے ایک بلڈنگ تیار کرے ،اس ضمن میں وہ بینک کوایک درخواست بھی پیش کرتاہے، جس میں اس بلڈنگ کی صفات خصوصیات اور نقشہ وغیرہ ملحق ہوتے ہیں۔

(2) درخواست کے ساتھ صارف ٹوکن منی (بیعانہ) کے طورپر کچھ رقم بھی بینک کوجمع کراتاہے ،ضمانت اورادائیگی کاطریقہ کارکہ آیارقم یک مشت اداکرنی ہے ،یاقسطوں پرطے کرتاہے، نیز اس کے ساتھ فیزبیلٹی رپورٹ بھی جمع کراتاہے۔

(3) بینک فزیبلٹی رپورٹ کاماہرین کے ساتھ جائزہ لیتاہے۔

(4) اگربینک صارف کی اس پیشکش سے مطمئن ہے تووہ اس سے فائنانس (تمویل) کے حوالے سے آخری ڈاکومینٹس پیش کرنے کامطالبہ کرتاہے اورضروری ضمانتیں فراہم کرنے کوکہتاہے

(5) حتمی اتفاق کے بعد صارف اوربینک کے درمیان مینوفیکچرنگ (استصناع) معاہدہ پر دستخط ہوتے ہیں ،جس میں طرفین کے لئے معاہدے کی ضروری پابندیوں کاذکرہوتاہے۔

(6) بینک کی طرف سے صارف کے لئے تعمیر کی جانے والی بلڈنگ کی قیمت ،سپردگی کاوقت ،ادائیگی کادورانیہ ،معینہ قسط کی تحدید، ایڈوانس قیمت کی ادائیگی کی صورت میں رقم کاتعین ،جب صارف اوربینک کے درمیان استصناع کامعاہدہ طے پایاجاتاہے تو بینک اسٹیٹ ایجنٹ سے اس پروجیکٹ پر عمل درآمد کامعاہدہ کرتاہے ،اسے عموماً متوازی استصناع کامعاہدہ کہاجاتاہے، یعنی بلڈنگ کوئی تیسرافریق تعمیر

کرے گا، جس کو بینک نے منتخب کیا ہے، چنانچہ پاکستان کے معروف اسلامی میزان بینک نے استصناع معاہدے میں جو مراحل ذکر کئے ہیں وہ درج ذیل ہیں:

(1) میزان بینک یعنی ایم،بی،ایل (M.B.L) اپنے کلائنٹ کو آرڈر دیتا ہے کہ وہ ایک مخصوص سامان / چیز بینک کے لئے تیار کرے جس کی اسے کیش یا اقساط میں پیشگی قیمت ادا کی جاتی ہے۔

(2) سامان کی تیاری کے بعد کلائنٹ بینک کو سامان پہنچا دیتا ہے۔

(3) سامان وصول کرنے کے بعد بینک اسے مارکیٹ میں براہ راست یا کسی ایجنٹ کے ذریعے فروخت کر دیتا ہے۔[1]

اسلامی بینکوں میں استصناع کا استعمال

استصناع کا استعمال اسلامی بینکوں میں پانچ طرح کے فائنانسنگ میں ہوتا ہے۔

(1) ہاؤس فائنانسنگ۔

(2) پلانٹ، فیکٹری، یا بلڈنگ کی فائنانسنگ۔

(3) اپارٹمنٹ کی بکنگ کے لئے فناسنگ۔

(4) بی، او، ٹی (B.O.T.Agreement) فائنانسنگ۔

(5) اور بلڈنگ یا پلانٹس کی تعمیر کی فائنانسنگ۔

Use of Istisna.

House financing.

Financing of plant/factory/building.

Booking of plant /apartments.

B.O.T.arrangements.

Construction of building and plants.[2]

---

26 /06/2022.12:00pm https://www.meezanbank.com/ [1]

[2]Dr. Muhammad Imran Asraf Usmani, Meezan **banks Guide to Islamic banking**

(Karachi, Darul-Ishaat, First Edition,2002) 1/73

اسلامی بینک استصناع کی بنیاد پر تین طرح کے معاہدے کرتے ہیں۔

معاہدے کی پہلی صورت

بینک صانع کی حیثیت سے کام کرتا ہے۔ جس کا طریقہ یہ ہوتا ہے کہ ضرورت مند شخص بینک سے اپنے مطلوبہ سامان کی فرمائش کرے اور بینک اسے مستصنع (مشتری) کی بیان کردہ صفات کے تحت تیار کرے ، یا کسی کمپنی کے ذریعہ اپنی ذمہ داری پر تیار کروائے تو اس میں کوئی حرج نہیں ہے۔

بینک صانع کی حیثیت سے ایک اور طریقہ بھی اپناتا ہے، مستصنع (مشتری) کی فرمائش کے مطابق اپنے خرچے سے پہلے وہ چیز تیار کر دیتا ہے، پھر مستصنع (مشتری) سے ثمن وصول کرنے کے بجائے اس چیز کی آمدنی ایک مدت تک حاصل کرتا ہے اور جب اس کا ثمن وصول ہو جاتا ہے، تب وہ چیز مستصنع (مشتری) کے حوالے کر دیتا ہے، فیلٹس، ہوائی اڈے، ہائی وئے وغیرہ بنوانے میں یہ صورت اختیار کی جاتی ہے شرعی اعتبا سے اس کی گنجائش ہے۔

معاہدے کی دوسری صورت

بینک مستصنع (مشتری) کی حیثیت سے کام کرتا ہے جس کا طریقہ یہ ہوتا ہے کہ بینک صانع کو یہ آرڈر دیتا ہے کہ وہ اس کے لئے ان صفات کی حامل چیز تیار کر دئے مطلوبہ چیز تیار ہونے کے بعد بینک اس کو منافع پر مارکیٹ میں فروخت کرتا ہے۔

مذکورہ طریقہ میں اگر بینک اس چیز کو قبضہ وملکیت اور ضمان کے بغیر اسی صانع سے معاہدہ کرلے کہ وہ بینک کا ایجنٹ بن کر اس چیز کو مخصوص منافع کے ساتھ فروخت کر کے رقم بینک کے حوالے کرے تو ایسا کرنا شرعاً جائز نہیں ہے۔ کیونکہ حضور اقدس ﷺ نے "**ربح مالم یضمن**" یعنی ایسی چیز کا نفع لینے سے منع فرمایا جو چیز نفع لینے والے کے ضمان میں نہیں آئی ہو، اور قبضہ سے پہلے فروخت کرنا اس میں داخل ہے ، اس لئے کہ جب تک بینک مطلوبہ چیز پر قبضہ نہ کرے اس وقت تک وہ چیز بینک کے ضمان میں نہیں آتی ، لہٰذا اگر بینک چیز پر قبضہ کرنے سے پہلے اگے نفع پر فروخت کر دئے تو یہ "ربح مالم یضمن" ہو جائے گا جو کہ جائز نہیں ہے۔ سنن ترمذی میں ہے کہ:

((عن عبد الله بن عمروان رسول الله ﷺقال:لایحل سلف وبیع ولاشرطان فی بیع ،ولاربح مالم یضمن ،قال ابوعیسی وهذاحدیث حسن صحیح))-[1]

ترجمہ:

حضرت عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضور اقدس ﷺ نے فرمایا کہ قرضہ اور بیع (کو جمع کرنا) حلال نہیں ،اور نہ بیع میں دو شرطیں لگانا،اور نہ ہی ایسی چیز کا نفع حاصل کرنا حلال ہے جو ابھی ضمان میں نہیں آئی،امام ترمذی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ یہ حدیث حسن صحیح ہے۔

معاہدے کی صحیح صورت

ہاں اگر بینک اس چیز کو یا سامان کو گاہک کے ہاتھ فروخت کرنے سے پہلے یا تو بذات خود اس پر قبضہ کرے یا اپنے وکیل کے ذریعہ اس پر قبضہ کرائے ،اس لئے کہ شرعاً وکیل کا قبضہ موکل کا قبضہ شمار ہوتا ہے ،لہٰذا یہ سمجھا جائے گا کہ یہ موکل یعنی بینک کے قبضہ میں ہے اس کے بعد بینک اس کو منافع پر مارکیٹ میں فروخت کر سکتا ہے۔ فقہ البیوع میں ہے۔

تبراذمة الصانع بتسلیم المصنوع الی المستصنع او تمکینه منه ،بالتخلیة ،او تسلیمه الی من یحدده المستصنع وکیلاًعنه فی التقبض وبهذاینتقل ضمان المصنوع من الصانع الی المستصنع۔[2]

ترجمہ:

صانع کی ذمہ داری مصنوع کو مستصنع کے حوالہ کرنے سے تام ہو جاتی ہے یا اس پر قدرت دینے دے یا تخلیہ کرنے سے یا مستصنع کے کے وکیل کے حوالہ کرنے سے بھی ذمہ سے بری ہو جائے گا۔ اور اسی طرح مصنوع کا ضمان صانع سے مستصنع کی طرف منتقل ہوتا ہے۔

تیسری صورت:

یہ ہے کہ بینک ایک شخص سے آرڈر حاصل کرتا ہے اور دوسرے شخص کو سامان تیار کرنے کا آرڈر دیتا ہے ،اس کو استصناع متوازی کہا جاتا ہے ،اس صورت میں بینک آرڈر دینے والے کے لئے "صانع" کی حیثیت

---

[1] ترمذی، جامع الترمذی باب: کراھیۃ بیع مالیس عندک: کتاب البیوع،1234

[2] عثمانی، **فقہ البیوع**،2/1165

کام کرتا ہے اور جس سے سامان لیتا ہے ،اس کے لئے "مستصنع" کی حیثیت سے کام کرتا ہے ،شرعاً یہ صورت دو شرطوں کے ساتھ جائز ہو گی۔

پہلی شرط:

یہ ہے کہ بینک اپنے صانع اور مستصنع کے ساتھ دو الگ الگ معاملے کرے ان دونوں (صانع اور مستصنع)کا آپس میں کوئی معاملہ نہ ہو مثلاً سامان میں کسی کمی کے سلسلہ میں مستصنع صرف بینک سے اس کی شکایت کا مجاز ہو براہ راست صانع سے اسے شکایت کا اختیار نہ ہو ،اسی طرح صانع کے ثمن کے سلسلہ میں پوری ذمہ داری بینک کے اوپر ہو ،صانع مستصنع سے مطالبہ کرنے کا مجاز نہ ہو۔[1]

دوسری شرط:

یہ ہے کہ جب مصنوع کا وجود پایا جائے اور وہ بینک کے قبضہ وملکیت اور ضمان میں آجائے یا اس کے وکیل کے قبضہ وملکیت میں آجائے پھر اس کی ملکیت مستصنع کی طرف منتقل کرے۔

اگر بینک اس پر اپنی ملکیت اور اپنے ضمان میں آنے سے پہلے ہی اسے مستصنع کی طرف منتقل کیا تو یہ جائز نہیں ہو گا ،مثلاً صانعنے سامان تیار کر کے بینک کو خبر دی کہ فلاں جگہ سے سامان لے جائے ،اور بینک نے اپنے کسی ایجنٹ کو بھیجنے کے بجائے خود مستصنع (مشتری) کو فون کر دیا کہ فلاں جگہ تمہار اسامان موجود ہے اسے لے لو تو یہ جائز نہیں ،کیوں کہ ابھی وہ چیز یا سامان بینک کے ضمان میں نہیں آئی تھی ،لہذا اس پر بینک کو ملنے ولا نفع اس کے لئے جائز نہیں ہو گا ،اس لئے کہ آپ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّم نے اس طرح نفع سے منع فرمایا ہے۔[2]

---

[1] عثمانی، فقہ البیوع (1/605) وکذا فی **عقد الاستصناع وصورتہ المعاصرہ**، 1/322

[2] ترمذی، **جامع الترمذی** (باب کراھیۃ بیع مالیس عندک: کتاب البیوع، ح، 1234

خلاصہ:

مالی معاملات نے دور جدید میں کافی وسعت اختیار کرلی ہے ،اس لئے اسلامی مالیاتی ادارے (غیر سودی بینک) استصناع کی ایک خاص شکل کے ذریعے منافع حاصل کرتے ہیں ، جسے استصناع متوازی کہا جاتا ہے ، یہ عقد حقیقت میں دو عقدوں سے مرکب ہوتا ہے ، ایک وہ عقد جو ادارہ (بینک)سامان خریدنے والے کے ساتھ کرتا ہے ،، ادارہ کی حیثیت اس میں صانع کی ہوتی ہے، دوسرا وہ عقد جو ادارہ کسی کمپنی یا سامان بنانے والے کے ساتھ کرتا ہے تاکہ ادارہ فریق اول سے طے کی ہوئی اشیاء کو تیار کرائے، اس صورت میں ادارہ کی حیثیت مستصنع کی ہوتی ہے،یعنی یہ معاملہ بنیادی طور پر تین فریقوں کے درمیان ہوتا ہے ،اورادارہ کی حیثیت درمیان فریق کی ہو جاتی ہے۔ عرف عملی کو کبھی تعامل اور عادت کے الفاظ سے بھی تعبیر کیا جاتا ہے، جو بعض احکام کی تبدیلی میں مؤثر ہوتا ہے، لیکن شریعت میں ہر تعامل معتبر نہیں ہے۔

بیع استصناع کو مخصوص معاہدوں میں تمویل کی سہولت فراہم کرنے کے لئے استعمال کیا جاسکتا ہے خاص طور پر ہاؤس بلڈنگ فائنانس کے شعبے میں۔

اگر بینک مصنوع کے وجود میں آنے کے بعد مارکیٹ میں فروخت کرنے سے پہلے اپنے قبضہ وضمان میں لے یا بینک اپنے وکیل کے قبضہ وضمان میں لے اور استصناع متوازی میں دونوں معاہدوں میں آپس میں کوئی ربط نہ ہو تو شرعی لحاظ سے یہ تینوں صورتیں جائز ہیں ورنہ نہیں۔

ازروئے قیاس بالغ کے لئے فسخ بیع کی صورت میں بیعانہ لینا اس لئے جائز ہے کہ در اصل مشتری کی جانب سے تعطل اور بلاوجہ انتظار کروانے کا معاوضہ ہے۔ مذکورہ اثر سے ماضی میں استدلال بھی کیا جاتا رہا ہے۔ چنانچہ عمرو بن دینارؒ اسی پر فتوی دیا کرتے تھے اور اسی اثر سے استدلال بھی کرتے تھے، اسی طرح امام اعاصمؒ بھی اس سے استدلال کیا کرتے تھے۔ اس حدیث کی تقویت حضرت عمر بن الخطاب کے دور میں ایک گھر خریدنے والے واقعے سے ہوتی ہے جو انہوں نے صفوان بن امیہ سے خریدا تھا جو کہ اہل علم کے درمیان اور محدثین کتابوں میں مشہور ہے روایات کی روشنی میں جواز اور عدم جواز کے دونوں پہلو سامنے آتے ہیں لیکن علماء کا عمل اور فقہاء کی آراء اور خاص طور سے دور حاضر میں استصناع میں کروڑوں کا معاملہ ہوتا ہے، کی روشنی میں جواز غالب معلوم ہوتا۔ اس لئے کہ اگر عدم جواز کی راہ اپنائی جائے تو نقصان ہونے کا اندیشہ ہے۔

فصل دوم

جدید بیع استصناع شرعی تعلیمات کی روشنی میں

عقد استصناع میں مال تیار کر کے پیش کرنے کی مدت کا تعین لازم اور ضروری نہیں، بلکہ عاقدین کو اختیار ہے کہ مدت متعین کریں، یا نہ کریں، لہٰذا اگر عاقدین کی رضامندی سے مدت متعین ہو جاتی ہے، اور مال تیار کرنے والا اس کی فراہمی میں طے شدہ وقت سے تاخیر کر دے، تو آرڈر دینے والے خریدار کو اختیار ہے قیمت ادا کر کے اسے قبول کر لے یا اس کو قبول کرنے سے انکار کر دے، تو اس بات کو یقینی بنانے کے لئے آپس کی رضامندی سے معاملہ کے وقت یہ طے کر لیں کہ صانع مال تیار کر کے فراہم کرنے میں اگر متعین وقت سے تاخیر کرے گا تو اس پر جرمانہ عائد ہو گا، جس کا حساب یومیہ تاخیر کی بنیاد پر کیا جائے گا، جیسا کہ بین الاقوامی مارکیٹ میں اس طرح کی تاخیر کی صورت میں جرمانہ عائد کرنے کا تعامل اور دستور جاری ہے، اس کو شرط جزائی کہا جاتا ہے، تو سوال یہ ہے کہ شریعت میں بھی اس طرح کسی تعزیری جرمانے کی گنجائش ہے یا نہیں؟

استصناع کے باب میں فقہ کی متداول کتب اس سوال کے جواب میں خاموش نظر آتی ہیں، البتہ اجارہ کے اندر فقہاء کرام نے اس طرح کی شرط کو جائز قرار دیا ہے۔[1]

چنانچہ علامہ سرخسی رحمہ اللہ لکھتے ہیں۔

لودفع اليه ثوباًليقطعه قميصا،واشترط عليه ان خاطه اليوم فله درهم ،وان لم يفرغ منه اليوم فله نصف درهم ،عند ابى حنيفة رحمه الله تعالىٰ،ان خاطه اليوم فله درهم ،لاينقص عن نصف درهم ولايجاوز به درهماًوقال ابويوسف ومحمد رحمہما الله تعالىٰ :وهوعلى مااشترط اذافرغ منه اليوم فله درهم وان فرغ منه بعد ذلك فله نصف درهم،ثم رجع ابوحنيفة رحمه الله فقال الشرطان جائزان ،وهو قول ابى يوسف ومحمد رحمهماالله تعالىٰ۔[2]

---

[1] صمدانی، ڈاکٹر مولانا اعجاز احمد، **مالی معاملات پر غرر کے اثرات**، (کراچی: ادارۃ المعارف، اشاعتِ سوم، 2014)، 1/65

[2] السرخسی، محمد بن احمد، **المبسوط**، (بیروت: دار المعرفۃ، الطبعۃ الاولیٰ، 1993) باب فی السلم 3/1891

ترجمہ :اگر درزی کو کوئی کپڑا یہ کہہ کر دیا ہے کہ اسے کاٹ کر قمیص بنا کر دے اور اس پر یہ شرط لگائی ہے کہا گر اس کو آج سی کر تیار کرے گا، تو اس کے لئے ایک درہم ہے ،اور اگر آج اس سے فارغ نہیں ہو پاتا ہے تو اس کے لئے نصف درہم ہو گا، تو امام ابو حنیفہؒ کے نزدیک اگر اس نے اس کو آج ہی سی کر کے تیار کر دیا ہے، تو اس کو ایک درہم ملے گا، اور اگر آج اس سے فارغ نہیں ہو پایا ہے، تو اس کے لئے اس کے ہم مثل اجرت ہو گی، جو نصف درہم سے کم نہ ہو گی، اور ایک درہم سے تجاوز بھی نہیں کرے گی، اور امام ابو یوسف، امام محمد نے فرمایا کہ وہ معاملہ لگائی ہوئی شرط کے مطابق رہے گا، (یعنی انہی شرطوں کے مطابق عمل کیا جائے گا) کہ جب اس سے آج فارغ ہو جائے گا تو اس کے لئے ایک درہم ہے اور اگر اس کے بعد فارغ ہو جائے گا، تو اس کو نصف درہم ملے گا، پھر امام ابو حنیفہؒ نے اپنے قول سے رجوع کر کے فرمایا کہ دونوں شرطیں جائز ہیں اور یہی امام ابو یوسفؒ اور مام محمدؒ کا قول ہے۔

درج بالا عبارت سے معلوم ہوا کہ اگر کوئی شخص کسی درزی کو اس شرط پر کپڑا دیتا ہے کہ اگر وہ ایک دن میں سی کر دے گا تو اس کی اجرت دو سو روپے ہو گی ،اور اگر دو دن میں سی کر دئے گا تو اجرت ڈیڑھ سو روپے ہو گی، تو فقہاء کرام نے اجارہ کے اندر ایسا کرنا جائز قرار دیا ہے، چونکہ استصناع کی عقد اجارہ سے کافی مشابہت ہے ، لہٰذا اگر استصناع کے اندر قیمت کو فراہمی کے وقت کے ساتھ منسلک کیا جائے اور دونوں فریق اس بات پر متفق ہو جائیں کہ تاخیر کی صورت میں فی یوم اتنی متعین قیمت کم ہو جائیں گی تو ایسا کرنے کی گنجائش ہے ، خصوصاً جب کہ آج کل کے جدید اور بڑے منصوبے جہاں مقررہ وقت سے تھوڑی سی تاخیر کی وجہ سے خریدار کے لئے، بہت بڑے مالی خسارے اور پریشانی کا باعث بن سکتی ہے۔[1] بشرطیکہ یہ تاخیر کسی مجبوری کی وجہ سے نہ ہو مثلاً جنگ چھڑ گئی اس کی وجہ سے صانع مجبور ہو گیا تو اس صورت میں شرط جزائی ٹھیک نہیں اسی طرح یہ بہت ظالمانہ بھی نہ ہو۔ مفتی محمد تقی عثمانی لکھتے ہیں:

یجوز ان الاتفاق فی العقد علی شرط جرائی بان الصانع ان تاخر فی تسلیم المصنوع ،فانه ینقص من ثمنه جزء مقابل للتاخیر۔۔[2]

جائز ہے کہ عقد میں شرط جزائی پر اتفاق کیا جائے کہ اگر صانع مصنوع کی حوالگی میں تاخیر کرے تو اس کے بدلے میں ثمن کو کم کیا جائے، کیونکہ متعاقدین کی رضامندی سے اور اتفاق سے شرط لگائی جاتی ہے۔

---

[1] صمدانی، **مالی معاملات پر غرر کے اثرات**، 65، 66

[2] عثمانی، **فقہ البیوع**، 1/610

اسی طرح معاییر الشرعیہ میں ہے۔

يجوز ان يتضمن عقد الاستصناع شرطاً جزائياً غيرمجحف لتعويض المستصنع عن تاخير التسليم بمبلغ يتفق عليه الطرفان اذالم يكن التاخير نتيجة لظروف قاهرة او طارئة [1]

ترجمہ:

"استصناع معاہدے میں جرمانے کی ایک شق شامل ہو سکتی ہے جو کہ دونوں فریقوں کی طرف سے متفقہ طور پر اس شرط کو عائد کیا جاتا ہے رقم میں تاخیر کے لیے صانع کو معاوضہ دینا غیر منصفانہ نہیں ہے بشرطیکہ تاخیر زبردستی یا ہنگامی حالات کا نتیجہ نہ ہو۔"

عقد استصناع میں جزائی شرط لگانا درست ہے کہ اگر مصنوع کے حوالہ کرنے میں تاخیر ہو جائے تو اس کے ثمن میں کچھ کٹوتی کی جائے گی اور مجمع الفقہ الاسلامی والوں نے اس کی تائیدیوں کی ہے۔

"وكذلك لو اشترط أحد العاقدين فرض غرامة مالية على الآخر في عقد الاستصناع إن تأخر الصانع في إكمال المال المستصنع في وقته، أو تأخر المستصنع في دفع المال إليه، وترتب على التأخير ضرر فإن المتضرر الحق في التعويض بقدر ضرره"[2]

ترجمہ:

"اسی طرح، اگر معاہدہ کرنے والے فریقین میں سے ایک یہ شرط لگائے کہ استصناع میں دوسرے پر جرمانہ عائد کیا جائے، اگر صنعت کار مال کو مقررہ وقت پر مکمل کرنے میں تاخیر کرے، یا مستصنع رقم کی ادائیگی میں تاخیر کرے، اور تاخیر نقصان کا باعث بنے۔ پھر متاثرہ فریق کو اس کے نقصان کے تناسب سے معاوضہ دینے کا حق ہے۔"

استصناع معاہدہ میں ایک تعزیری شق شامل ہو سکتی ہے، جس کے مطابق معاہدہ کرنے والے دونوں فریقوں نے اتفاق کیا ہے، جب تک کہ جبری میجر کے حالات نہ ہوں۔ بلاشبہ حاجی معاہدوں میں ایسی شرط کا مطالبہ کرتا ہے اور ان میں کام بغیر اعتراض کے ہوتا ہے۔

---

[1] النجدی، المعايير الشرعية، 300

[2] مجلة مجمع الفقه الإسلامي، 7/ 841،

ایک ممتاز سڑک پر ہے۔ معاہدہ میں ایک تعزیری شق شامل ہو سکتی ہے جو کہ دونوں فریقوں کی طرف سے متفقہ رقم میں ڈیلیوری میں تاخیر کے لیے کارخانہ دار کو معاوضہ دینا غیر منصفانہ نہیں ہے، اگر تاخیر زبردستی یا ہنگامی حالات کا نتیجہ نہیں تھا۔

الدکتور وھبۃ الزحیلی لکھتے ہیں:

وامافی مجال المقالات التی یتم فیھاعادۃ الاتقان علی مدۃ التسلیم والالزا م بغرامات معینۃ عندالتاخیر، فھو ای التحریم جائز ایضاً وداخل تحت مفھوم مایسمی قانوناً بالشرط الجزائی ، وقداقرہ القاضی شریح وایدہ قرارھیئۃ کبارالعلماء فی السعودیۃ سنۃ 1294 ھ قال شریح: من شرط علی نفسه طائعاًغیر مکرہ فھوعلیه[1]

ترجمہ:

اور ان مضامین کے شعبے میں جن میں ترسیل کی مدت میں مہارت بحال کی جاتی ہے اور تاخیر پر بعض جرمانے عائد کیے جاتے ہیں، یہ ممانعت بھی جائز ہے اور اس تصور کے تحت شامل ہے جسے قانونی طور پر تعزیری شرط کہا جاتا ہے، اور قاضی شریح نے حکم دیا ہے سعودیہ کے بڑے علماء نے بھی اس کی 1294ھ میں تائید کی ہے شریح فرماتے ہیں جس نے خود پہ کوئی شرط خوشی سے لگوائی اور وہ شرط مکروہ نہ ہو تو اس پر وہ شرط لازم ہے۔

عقد استصناع میں بیعانہ ضبط کرنے کا حکم:

عقد استصناع چونکہ وسیع ترین دائرہ میں پھیلا ہوا ہے اور بڑے بڑے منصوبے عمارتیں اور ریسٹورنٹ وغیرہ تیار کئے جاتے ہیں، ایسے حالت میں جب مستصنع صانع (کاریگر) کو آرڈر دیتا ہے، تو بسااوقات ایسی بھی نوبت آجاتی ہے کہ نمونہ، سائز، اور ڈیزائن دکھا کر معاملہ مکمل ہو جاتا ہے اور صانع آرڈر اور طے شدہ شرائط کے مطابق مطلوبہ چیز تیار کرلیتا ہے، اس کے بعد مستصنع بسااوقات لینے سے مکر جاتا ہے، جس سے صانع کو خطیر رقم کا نقصان اٹھانا پڑتا ہے، تو اس نقصان اور خطرہ سے بچنے کے لئے صانع مستصنع سے بطور بیعانہ کے پیشگی متعین رقم کا مطالبہ کرتا ہے اور اس میں یہ شرط لگاتا ہے کہ اگر مستصنع بعد میں لینے سے انکار کر دے تو صانع بیعانہ کی پیشگی رقم ضبط کرے گا، اس کو شرعی اصطلاح میں "عربون" کے الفاظ سے تعبیر کیا ہے۔

---

[1] الزحیلی، **الفقہ الاسلامی وادلتہ**، 4/303

اب یہاں مسئلہ یہ ہے کہ استصناع کے معاملہ میں پیشگی رقم جو بطور بیعانہ لی جاتی ہے طے شدہ شرائط کے مطابق مطلوبہ سامان تیار ہو جانے کے بعد خریدار کے لینے سے انکار کرنے پر صانع کے لئے وہ رقم شرائط کے مطابق ضبط کر کے اپنے استعمال میں لانا جائز ہے یا نہیں؟ تو اس بارے میں جمہور فقہاء کرام اور امام احمد بن حنبلؒ، مجاہدؒ، ابن سیرینؒ کے درمیان اختلاف ہے۔

جمہور کا مذہب

امام مالکؒ، امام ابو حنیفہؒ اور امام شافعیؒ تینوں ائمہ کرام کے نزدیک شرعی حکم یہ ہے کہ بیعانہ کی رقم ضبط کرنا جائز نہیں ہے، کیونکہ یہ رقم بغیر کسی عوض کے بائع کے پاس چلا گیا۔

امام احمد بن حنبلؒ وغیرہ کا مذہب

امام احمد بن حنبلؒ، مجاہدؒ، ابن سیرینؒ نافع بن عبد الحارث اور زید بن اسلم رحمہم اللہ کے نزدیک بیعانہ ضبط کرنا شرائط کے مطابق جائز ہے۔

جمہور کا استدلال

جمہور کا استدلال اس حدیث سے ہے جو امام مالکؒ نے موطا امام مالک میں روایت کی ہے؛

((عن عمروبن شعیب عن ابیه عن جده انه قال نهی رسول الله صلی الله علیه وسلم عن بیع العربان)) -[1]ضعیف

ترجمہ: عمرو بن شعیب نے اپنے والد سے، انھوں نے اپنے دادا سے روایت کی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے بیع عربان (بیعانہ) سے منع فرمایا۔

اس میں نبی کریم ﷺ سے نہی منقول ہے اور قواعد شرعیہ کا تقاضہ بھی یہی ہے کہ بیع جائز نہ ہو، وجہ اس کی یہ ہے کہ اس میں غرر پایا جاتا ہے اس طور پر کے بائع بلا وجہ رقم ضبط کر رہا ہے اس کا کوئی عوض نہیں دے رہا ہے، اگر بیع نافذ نہ ہو، اس لئے جمہور یہ کہتے ہیں کہ یہ جائز نہیں ہے۔[2]

امام احمد بن حنبلؒ کا استدلال:

امام احمد بن حبنل وغیرہ کا ایک استدلال مصنف ابن ابی شیبہ کی ایک حدیث ہے۔

---

[1] امام مالک، انس بن مالک، **موطا الامام مالک** (بیروت: دار الفکر، الطبعۃ الثانیۃ، 1310)، کتاب البیوع: باب ماجاء فی بیع العربان، 1/448

[2] عثمانی، فقہ البیوع، 1/1191 مزید: **اسلام اور جدید معاشی مسائل**، 4/159

(عن زید بن اسلم ان النبی ﷺ احل العربان فی البیع)[1] ضعیف

ترجمہ:

زید بن اسلم رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ نبی اکرم ﷺ نے بیع میں عربان (بیعانہ) کو حلال کہا ہے۔

دوسرا استدلال:

امام احمد بن حنبلؒ کا دوسرا استدلال اس حدیث کے واقعہ سے ہے۔

((عن عبدالرحمٰن بن فروخ ان نافع بن عبدالحارث اشتری دارالسجن من صفوان بن امیۃباربعۃالآف درھم فان رضی عمر فالبیع لہ ،وان عمر رضی اللہ عنہ لم یرض فاربع مائۃلصفوان رضی اللہ عنہ۔))[2]ضعیف

ترجمہ:

عبدالرحمان بن فروخ کہتے ہیں کہ نافع بن عبد الحارث نے صفوان بن امیہ سے اس شرط پر قید خانہ کا گھر چار ہزار درہم میں خریدا کہ اگر حضرت عمر رضی اللہ عنہ اس عقد پر راضی ہو جائیں، تو مبیع ان کے لئے ہے اور اگر حضرت عمر رضی اللہ عنہ راضی نہ ہوں تو صفوان بن امیہ کے لئے چار سو درہم ہونگے۔

امام احمد بن حنبلؒ نے ان دو حدیثوں سے عربون کے جواز پر استدلال کیا ہے۔ علامہ زحیلی لکھتے ہیں کہ:

"قال أحمد بن حنبل: لا بأس به ودليله ما أخرجه عبد الرزاق في مصنفه من حديث زيد بن أسلم--- وما روي فيه عن نافع بن عبد الحارث"[3]

ترجمہ:

"احمد بن حنبلؒ کے نزدیک اس بیع میں کوئی قباحت نہیں۔ ان کی دلیل وہ حدیث ہے جو عبد الرزاق نے اپنی مصنف میں زید بن اسلم سے بیان کی ہے اور جو نافع بن عبد الحارث سے مروی ہے۔"

امام احمد بن حنبلؒ کے استدلال کا جواب

پہلے حدیث کے جواب میں مفتی محمد تقی عثمانی، تھذیب التھذیب، اور میزان الاعتدال کے حوالے سے لکھتے ہیں کہ "اس حدیث کی سند بہت کمزور ہے اور اتنی کمزور ہے کہ اس سے استدلال کرنا مشکل ہے، کیونکہ

---

[1] ابن اَبی شیب، **مصنف**، باب فی العربان فی البیع، ح:23195

[2] ایضا، 7/191

[3] الزحیلی، **الفقہ الاسلامی وادلتہ**، 4/380

اس کی سند میں ایک راوی ابراہیم بن ابی یحیٰ ہیں جو اکثر محدثین کے ہاں ضعیف ہیں اس واسطے اس کی حدیثیں قابل استدلال نہیں ہیں"۔[1]

دوسرے حدیث کا جواب جمہور یہ دیتے ہیں کہ صورتحال یہ نہیں تھی کہ ان کو بطور بیعانہ کے چار سو دینار دیئے جو بیع نافذ نہ ہونے کی صورت میں ضبط ہو جائے بلکہ چار سو دینار کا منشاء یہ تھا کہ بیع ہی چار سو دینار کی تھی چار سو پورا ثمن تھا لیکن یہ کہا تھا کہ اگر حضرت عمر رضی اللہ عنہ راضی ہو گئے تب تو یہ بیع حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے لئے اور اگر وہ راضی نہ ہوئے تو اس صورت میں یہ بیع میرے (نافع بن الحارث کے) لئے ہو گی اس چار سو کے بدلے میں یہ گھر تم مجھے دے دینا۔

دراصل اس مسئلہ کے اندر روایات میں بڑا اختلاف ہے کہ اصل قیمت کیا تھی اور یہ رقم جو صفوان کو دی گئی تھی وہ کتنی تھی، بعض روایتوں سے معلوم ہوتا ہے کہ چار سو دینار قیمت تھی وہی چار سو دینار قیمت دیدیئے گئے ،اس صورت میں اس کو"عربون"قرار دینا ممکن نہیں ،لیکن بعض روایتوں میں قیمت چار ہزار دینار تھی اور صفوان کو جو رقم دی گئی تھی وہ چار سو درہم تھی اس کے بارے میں معقول طور پر تصور کیا جا سکتا ہے کہ چار ہزار دینار کے مقابلے میں چار سو درہم بطور بیعانہ کے تھے ایسا معلوم ہوتا ہے کہ امام احمد بن حنبلؒ کو جو روایت پہنچی تھی وہ یہی تھی اور اس کی توجیہ انہوں نے یہ فرمائی کہ یہ بیعانہ تھا اور بیعانہ ضبط کرنے کی جو شرائط لگائی یہ جائز ہے، اس کی بناء پر انہوں نے اپنی مذہب کی بنیاد رکھی۔[2]

کیا موجودہ حالات کے پیش نظر عقد استصناع میں بیعانہ ضبط کرنے کے مسئلہ میں امام احمد بن حنبلؒ کے قول پر عمل کرنے کی گنجائش ہے؟

عقد استصناع کا سارا مدار چونکہ عرف اور تعامل الناس پر ہے اور مقامی، ملکی اور بین الاقوامی مارکیٹ میں خطرہ اور نقصان سے بچنے کے لئے پیشگی رقم لینے اور مستصنع کی طرف سے انکار کی صورت میں پیشگی دی ہوئی رقم ضبط کرنے کا تعامل جاری ہے تو اس تعامل الناس کے پیش نظر امام احمد بن حنبلؒ وغیرہ کے قول پر عمل کرنا جائز ہو گا یا نہیں؟

تو اس بارے میں مفتی محمد تقی عثمانی لکھتے ہیں:

[1] عثمانی، ظفر احمد، **اعلاء السنن**، (ادارۃ القرآن وعلوم الاسلامیہ)14/174، مزید دیکھئے **اسلام اور جدید معاشی مسائل**،4/161

[2] عثمانی، **اسلام اور جدید معاشی مسائل**،4/161، مزید دیکھئے، **فقہ البیوع**،1/116

"وبالجملة ،فالمسئلة مجتهدفيها وبماان اغلبية الفقہاء علی منع العربون۔۔ فالقول بالمنع ہوالاحوط ولکن اختلاف الفقہاء یورث تخفیفاًعند الحاجة الی مثل ھذا لتعامل ولاسیماان صدر بذلک قانون من ولی الامر ،فان حکم الحاکم رافع للخلاف"[1]

ترجمہ:

خلاصہ یہ کہ یہ مسئلہ مجتہد فیہ ہے لیکن اکثر فقہا عربون کو منع کرتے ہیں۔اس کے حرام ہونے کا قول زیادہ محتاط ہے، لیکن فقہا کا اختلاف ضرورت کے وقت ایسے لین دین میں تخفیف پیدا کرتا ہے خصوصا جب یہ قانون کوئی حکمران بنائے کیونکہ حاکم کا حکم اختلاف کو ختم کر دیتا ہے۔

دوسری جگہ حضرت لکھتے ہیں۔

چونکہ معاملہ مجتہد فیہ ہے اس لئے عربون کو بالکلیہ باطل نہیں کہہ سکتے اور بسا اوقات اس قسم کے معاملہ کی ضرورت پیش آجاتی ہے ،بالخصوص ہمارے زمانے میں جہاں ایک ملک سے دوسرے ملک بین الاقوامی تجارت ہوتی ہے ،وہاں ید اًبید معاملہ نہیں ہوتا اور نہ ہی ہو سکتا ہے،اور اگر کوئی شخص دوسرے سے معاملہ کرلے کہ میں تم سے سامان منگوا رہا ہوں، بائع نے اس کے لئے سامان اکٹھا کیا سب کچھ کیا،لاکھوں روپے خرچ کئے بعد میں وہ مکر جائے کہ میں بیع نہیں کرتا تو اس صورت میں بائع کا بڑا سخت نقصان ہوتا ہے ،ایسی صورت میں بائع اگر عربون کی شرط لگالے تاکہ مشتری پابند ہو جائے تو اس کی بھی گنجائش معلوم ہوتی ہے ،کہ اس صورت میں امام احمد بن حنبلؒ کے قول پر عمل کیا جائے باقی جہاں ضرورت نہ ہو ویسے لوگوں نے پیسے کمانے کا ذریعہ بنالیا تو وہ جائز نہیں۔[2]

مجمع الفقہ الاسلامی کی قرارداد کی روشنی میں

مجمع الفقہ الاسلامی نے بھی بیعانہ کے مسئلہ میں امام احمد بن حنبلؒ کی رائے پر عمل کرتے ہوئے بیعانہ میں رقم ضبط کرنے کی اجازت دی ہے۔

"یجوز بیع العربون إذا قیدت فترة الانتظار بزمن محدود. ویحتسب العربون جزءاً من الثمن إذا تم الشراء، ویکون من حق البائع إذا عدل المشتري عن الشراء."[3]

---

[1] عثمانی، **فقہ البیوع**، 117/1

[2] عثمانی، محمد تقی، **انعام الباری**، (کراچی: ادارۃ المعارف، اشاعتِ اول: 2004)117/7، مزید؛ عثمانی، **اسلام اور جدید معاشی مسائل**، 162/4

[3] الزحیلی، **الفقہ الاسلامی وأدلتہ**، 5218/7

ترجمہ:

"جب بیع عربون انتظار اور محدود زمانے کے ساتھ مختص ہو تو جائز ہے۔ اور بیع عربون کا حساب لگایا جائے گا ثمن کیساتھ جب ڈیل مکمل ہو جائے اور بائع کے حق میں ہو گی اگر مشتری بیع سے پھر گیا"۔

اسی لئے ضرورت اور تعامل الناس کی وجہ سے عقد استصناع میں عربون (بیعانہ) کی رقم مستصنع کے مبیع کو رد کرنے کی صورت میں حقیقی نقصان کی حد تک ضبط کرنے کی گنجائش معلوم ہوتی ہے۔ چنانچہ معاییر الشرعیہ میں اس کے بارے میں یہ فیصلہ کیا گیا ہے کہ: جس کا مفہوم یہ ہے، کہ بیعانہ کی رقم میں سے صانع کو اپنے حقیقی نقصان کی تلافی کا حق حاصل ہو گا۔ حقیقی نقصان سے مراد یہ ہے کہ مثلاً گلاس سو روپے اس کی قیمت طے پائی اور یہ گلاس مثال کے طور پر ساٹھ روپے میں بنا اور مستصنع (خریدار) کے نہ خریدنے کی وجہ سے بازار میں فروخت ہو اسی روپے کے لحاظ سے تو حقیقی نقصان نہیں ہوا، کیونکہ ساٹھ روپے میں گلاس تیار ہوا اور اسی روپے میں فروخت ہو گیا لیکن اگر ساٹھ روپے کی بجائے پچاس روپے میں فروخت کرنا پڑا تو یہ دس روپے جو نقصان ہے یہ حقیقی نقصان ہے، صانعبیعانہ کی رقم سے اس دس روپے کی کمی پوری کر سکتا ہے۔[1]

صانع کا مصنوع میں عیوب سے بری ہونے کی شرط لگانا

جب بیع مطلق کا معاملہ ہو اور بائع یہ شرط لگادے کہ وہ مبیع میں پائے جانے والے کسی بھی عیب کا ذمہ دار نہیں ہو گا، اور مشتری اس پر راضی ہو جاتا ہے، تو فقہاء احناف ؒ کے نزدیک یہ عقد درست ہو گا، خواہ بائع اس عیب کے بارے میں پہلے سے واقف ہو یا وقف نہ ہو اسی طرح وہ اس عیب کا نام ذکر کرے یا نہ کرے، جب کہ امام شافعیؒ کے نزدیک بائع اگر یہ شرط لگادئے تو وہ عیب سے بری نہ ہو گا، البتہ اگر کسی خاص عیب کی ذمہ داری سے براءت کی شرط لگادے تو درست ہے یہ مسئلہ تو مطلق بیع میں عیب سے براءت کی شرط لگانے کے بارے میں تھا۔

"اختلف العلماء فی جواز هذا البیع، وصورته ان یشترط البائع علی المشتری التزام کل عیب یجده فی المبیع علی العموم ،فقال ابو حنیفةؒ :یجوز البیع بالبراءة من کل عیب

[1] النجدی، المعاییر الشرعیة، 301

سواء علمه البائع اولم يعلمه ،سماء او لم يسمه ،ابصره اولم يبصره وبه وقال ابو سفؒ ،وقال الشافعیؒ فی اشهر قوليه وهو المنصورعنداصحابه :لايبر البائع الامن عيب يريه للمشتری فی الرقيق خاصة"[1]

ترجمہ:

اس بیچنے کے جائز ہونے کے بارے میں علماء کا اختلاف ہے اور اس کی صورت یہ ہے کہ بیچنے والا خریدار سے ہر اس عیب سے برات کی شرط لگائے جو عام طور پر مبیع میں پائی جاتی ہیں پس امام ابو حنیفہؒ کے ہاں اس طرح کی برات درست ہے اور امام ابو سفؒ اور شافعیؒ نے اپنے مشہور ترین قول میں کہاہے جو کہ ان کے ساتھیوں کے ہاں بھی موکد ہے کہ بائع عیب سے بری نہیں ہو سکتا الا یہ کہ وہ اس عیب کو مشتری کو دکھائے خاص طور پہ غلام کی بیع میں۔

لیکن عقد استصناع میں اس طرح کی شرط لگانا کہ صانع جو چیز بنوا رہا ہو اس میں پائے جانے والے ہر عیب سے بری ہونے کی شرط لگائے یہ درست ہو گا یا نہیں؟ متقدمین فقہاء نے اس پر بحث نہیں کی ہے کیونکہ ان کے زمانے میں عقد استصناع کا دائرہ محدود تھالوگ صرف ذاتی ضرورتوں کو پوار کرنے کے لئے عقد استصناع کو اختیار کرنے تھے۔ لیکن موجودہ زمانے میں عقد استصناع کا دائرہ بہت وسیع ہو چکا ہے۔ بڑی بڑی مشینوں، کارخانوں اور فیکٹریوں کے آلات وغیرہ کو آرڈر پر تیار کرایا جاتا ہے اور صانع اس طرح کی شرط لگاتا ہے تو اس میں کاریگر کی بدنیتی کا اثر معلوم ہوتا ہے، وہ اس طرح شرط لگا کر دھوکہ کا دروازہ کھول رہا ہے جس میں خریدار کو ضرر کا قوی اندیشہ ہے۔ لہٰذا کاریگر کا عقد استصناع میں عیوب سے براءت کی شرط لگانا درست نہیں ہونا چاہے۔

المعایير الشرعیۃ میں ہے کہ:

"لايجوز اشتراط الصانع البراءة من العيوب فی عقد الاستصناع "[2]

ترجمہ:

جائز نہیں ہے کہ صانع مبیع کے عیوب سے براءۃ کی شرط کو معاہدہ استصناع میں لگائے کیونکہ اس سے مستصنع کا نقصان ہے۔

---

[1] ابن رشد، محمد بن احمد، بدایۃ المجتھد ونھایۃ المقتصد (قاہرہ: دار الحدیث، 2004، بدون طبع) باب فی بیع البراۃ، 2/200 مزید الھدایۃ: کتاب البیوع، باب خیار العیب 3/50

[2] النجدی، عبد الرحمٰن، المعاییر الشرعیۃ (298)

اسی طرح فقہ المعاملات میں مذکور ہے:

"اشتراط البراءة من العيوب

أما في خصوص مسألة اشتراط البراءة من العيوب , فلم يتعرض الحنفية ولا غيرهم لهذه المسألة ضمن كلامهم في الاستصناع وتعرض لها فضيلة العلامة الشيخ مصطفى الزرقا ضمن بحثه في الاستصناع , فقال : (أرى أن اشتراط البائع في عقد الاستصناع عدم مسئوليته عن عيوب المبيع الذي سيصنعه أو اشتراطه تحديد هذه المسئولية , لا يصح مطلقا , بل يكون شرطا باطلا , ويبقى الصانع مسئولا مسئولية كاملة عن كل عيب يوجد في المصنوع"[1]

ترجمہ:

مبیع میں عیوب سے دستبرداری کی شرط لگانے کے حوالے سے حنفیہ اور دیگر فقہا کے ہاں استصناع کے باب میں کوئی بحث نہیں ملتی ہے۔ البتہ شیخ مصطفی زرقا نے استصناع کے باب میں اس مسئلہ کو بھی زیر بحث لایا ہے۔ ان کی رائے یہ ہے کہ بائع اگر یہ شرط لگاتا ہے کہ وہ بیع استصناع میں جو مبیع ہے اس کے تمام عیوب کی ذمہ داری سے بری ہے تو یہ شرط لگانا بالکل ٹھیک نہیں ہوگا، بلکہ یہ شرط باطل ہوگی اور کاریگر مبیع میں موجود تمام عیوب کا ذمہ دار ہوگا۔

وإن كان هذا الاشتراط في البيع العادي معقولا , لأن هذا الشرط يحمي سوء النية من البائع الصانع , ويفسح له مجالا لعدم المبالاة بإتقان عمله والتزام الدقة التقانية (التكنولوجية) فيه , كما يقتضيه العقد . وهذا ينعكس ضررا بالغا على المشترى الذي بنى عقده على الثقة بالمتعاقد معه ولم يقبل بأداء الثمن الذي قد يكون باهظا جدا إلا على أساس تلك الثقة وافتراض حسن النيه وعدم الإهمال وهذا الاستثناء في عقد الاستصناع من جواز اشتراط عدم مسئولية البائع عن عيوب المبيع سببه أن المبيع في عقد الاستصناع معدوم حين العقد وسيصنعه البائع نفسه , فيكون قصده من هذا الشرط حماية نفسه من مسئولية الإهمال أو الخطأ أو الجهل بأصول صنعته التي يمارسها على أساس متقن لها) .

ترجمہ:

اگر یہ شرط عام بیع میں لگائی گئی تو یہ پھر بھی معقول ہے۔ کیونکہ بیع استصناع میں تو ایسی شرط لگانی سے اس کی

---

[1] عثمانی، فقہ المعاملات، 1/299

بری نیت کو تحفظ ملے گا اور اس کے لیے چیز کے بنانے میں لاپرواہی اور تکنیکی مہارت کے نہ ہونے کا راستہ کھلے گا۔ حالانکہ عقد کا مقتضی اس کے بالکل خلاف ہے۔ اور مشتری کا اس میں ضرر ہے۔ بیع استصناع کا اس مسئلہ میں جو شرط لگانے کے حوالے سے عام مبیع سے استثنٰی کیا گیا اس کی بنیادی وجہ یہ ہے کہ استصناع میں مبیع عقد کے وقت معدوم ہے اور بائع اس کو خود بنائے گا۔ اگر وہ ایسی شرط لگاتا ہے تو اس کا مقصد غفلت اور لاپرواہی کر کے اپنی ذمہ داری سے جان چھڑانا ہے۔

لہذا اس بنیاد پر استصناع کے عقد میں ایسی شرط لگانا جائز نہیں ہو گا۔ اگرچہ حنفیہ نے ایسی شرط کی بیع مطلق میں اجازت دی ہے۔ لیکن دونوں قسم کی بیع میں فرق بالکل واضح ہے وہ یہ کہ عام بیع میں مبیع موجود ہوتی ہے جب کہ استصناع میں موجود نہیں۔

گاڑی وغیرہ میں استصناع کا حکم

استصناع کا مدار چونکہ تعامل الناس عرف اور عادت پر ہے، لہذا جن چیزوں میں بھی استصناع کا عرف ہو گا اس میں عقد استصناع جائز ہو گا، خواہ وہ چیزیں چھوٹی ہوں یا بڑی۔ لہذا آج کے زمانے میں جو گاڑیوں وغیرہ میں استصناع جاری ہے بلاشبہ جائز ہے۔

"کل شیئٍ تعومل استصناع یصح فیه الاستصناع علی الاطلاق"[1]

ترجمہ: ہر وہ چیز جس میں تعامل الناس ہو اس میں مطلقا استصناع درست ہوتا ہے۔

اسی طرح بدائع الصنائع میں ہے۔

"ومنها :ان یکون یجری فیه التعامل بین الناس من اوانی الحدید والرصاص ونحو ذلک"-[2]

ترجمہ: اس میں سے ہے کہ لوگوں کے درمیان لوہے اور پیتل وغیرہ کے برتنوں میں تعامل ہو۔

مصنوع کو نمونہ کے مطابق نہ بنانے پر واپس کرنے کا حکم

عقد استصناع میں جب صانع نے مطلوبہ چیز کو نمونہ کے مطابق نہیں بنایا تو مستصنع کو واپس کرنا درست ہے ،ہاں نمونہ کے مطابق ہو تو پھر واپس نہیں کر سکتا ہے۔ شرح المجلہ میں ہے۔

---

[1] الاتاسی، **شرح المجلہ**، 1/ 4031

[2] کاسانی، **بدائع الصنائع**: کتاب الاستصناع (4/ 94) مزید **فتاوی قاسمیہ** 19/ 620

"اذانعقد الاستصناع فليس لاحدالعاقدين الرجوع واذلم يكن المنصوع على الاوصاف المطلوبةالمبينةكان المستصنع مخيراً"[1]

ترجمہ: جب بیع استصناع منعقد ہو جائے تو متعاقدین میں سے کسی کو رجوع کا حق نہیں ہے۔ اور اگر مصنوع مطلوبہ اوصاف کے مطابق نہ ہو تو مستصنع کو خیار ملے گا۔

موجودہ دور میں کپڑوں میں استصناع کا حکم

پہلے زمانہ میں چونکہ کپڑوں میں استصناع کا تعامل اور رواج نہیں تھا، اس وجہ سے عام کتب فقہ میں فقہاء کرام رحمہم اللہ نے کپڑوں میں استصناع کو ناجائز لکھا ہیں جب کہ موجودہ دور میں کپڑوں کو آرڈر دیکر تیار کرانے کا عرف عام ہے، اس وجہ سے اس کی گنجائش معلوم ہوتی ہے۔ شیخ وھبۃ الذحیلیؒ لکھتے ہیں۔

"ويصح فى عصرنا الحاضر الاستصناع فى الثياب لجريان التعامل فيه ،والتعامل يختلف بحسب الازمنة والامكنة-[2]

ترجمہ: اور ہمارے دور میں کپڑوں میں تعامل کی وجہ سے جائز ہے اور تعامل زمانہ اور جگہ کے مختلف ہونے سے مختلف ہوتا ہے

اسی طرح فقہ البیوع میں ہے۔

"لوجرى فيه تعامل جاز فيه الاستصناع وقد حدث هذا فى زماننا"[3]

ترجمہ: کہ اگر ان میں یعنی کپڑوں میں استصناع کا تعامل ہو تو اس میں جائز ہے اور تحقیق دور حاضر میں یہ تعامل پایا جاتا ہے۔

آرڈر کینسل کرنے پر آرڈر دینے والے سے تاوان وصول کرنا

بعض اوقات تاجر کسی کو مال کا آرڈر دے دیتا ہے مگر بعد میں مارکیٹ میں اس مال کا بھاؤ گر جاتا ہے، جس کی وجہ سے آرڈر دینے والا اپنا نقصان محسوس کرتا ہے، اور بیچنے والے سے آرڈر منسوخ کرنے کی درخواست کرتا ہے، مال تیار کرنے والا آرڈر منسوخ کرنے پر آرڈر دینے والے سے تاوان اور ہرجانہ لیتا ہے، شرعاً اس

---

[1] محمد خالد الاتاسی، **شرح المجلۃ** 2/406 و فتاوی دارالعلوم زکریا 5/280

[2] الزحیلی، الفقہ الاسلامی وادلتہ، 4/395

[3] عثمانی، **فقہ البیوع**، 1/600

صورت میں ہرجانہ لیناجائز نہیں ہے ،البتہ مال تیار کرنے والے کاجو حقیقی نقصان ہواہے ،وہ وصول کرنادرست ہے۔[1]

صانع کاپیشگی رقم سے فائدہ حاصل کرنے اوراس پرزکوٰۃ کاحکم

استصناع میں چونکہ ثمن پیشگی بھی دی جاسکتی ہے ،بعد میں بھی اور قسط وار بھی،لہٰذا جب مستصنع نے صانع کوپیشگی رقم دی تو صانع اس رقم کامالک بن جائے گا،اور اس رقم کی زکوٰۃ کاریگر پرلازم ہوگی،وجہ اس کی یہ ہے عقد استصناع میں جورقم پیشگی جمع کروائی ہے یہ پوری رقم بحکم ثمن ہوگی،لہٰذا صانع پر اس رقم کی زکاۃ لازم ہوگی، مستصنع پر نہیں ہوگی،تاہم احتیاطاًادا کرنا بہتر ہے۔

لیکن وہ رقم کاریگر کے قبضہ میں مضمون ہوگی،اس طورپر کہ اگر کسی بھی وجہ سے یہ عقد ختم ہوگیاتو اس صورت میں صانع مستصنع کووہ رقم لوٹائے گا۔فقہ البیوع میں ہے۔

الثمن المدفوع مقدماًعندابرام العقد مملوك للصانع يجوز له الانتفاع والاسترباح ،وتجب عليه الزكاة فيه ولكنه مضمون عليه بمعنى انه اذانفسخ العقد لسبب من الاسباب يجب عليه ردالثمن على المستصنع-[2]

ترجمہ:

عقد مکمل ہوتے وقت پیشگی اداکی گئی قیمت صانع کی ملکیت ہے،وہ اس سے نفع حاصل کرسکتاہے،اور اس (صانع)پراس مال کی زکوٰۃ بھی واجب ہے، لیکن یہ ثمن اس پر اس طورپر مضمون ہے کہ اگر معاہدہ کسی وجہ سے فسخ ہوجائے تواسے مستصنع پرلوٹاناہوگا۔

خریدار کی طرف سے ثمن کی ادائیگی میں تاخیر کی وجہ سے کاریگر کا ثمن میں زیادتی کامطالبہ کرنا

عقداستصناع میں اگر مستصنع نے صانع سے کہا کہ فلاں تاریخ تک آپ کے پیسے اداکردوں گا،پھر اس متعین تاریخ تک مستصنع نے صانع کی رقم ادانہیں کی اب اگر صانع ثمن کی ادائیگی میں تاخیر کی وجہ سے ثمن میں زیادتی کامطالبہ کرے تو یہ جائز نہیں ہے ،اوراگر مستصنع متعین تاریخ سے پہلے ادائیگی کردے اور صانع مستصنع کواپنی طرف سے یک طرفہ طورپر اپنی صوابدید پر ثمن میں کمی کرے تو یہ جائز ہے

[1] **فتاوٰی دالعلوم دیوبند**(دیوبند:مکتبہ زکریا،الطبعۃ:الاولی،2007)14،/318،اور مفتی،محمدریاض،**مسائل تجارت**(پنڈی:مکتبہ ایمان،الطبعۃ:الثانیۃ،2018)،110

[2] عثمانی،**فقہ البیوع**،2/1166اور مفتی،محمدریاض،**زکوٰۃ اوراس کے جدید مسائل**،137

،بشر طیکہ وہ عقد میں شرط نہ ہو،اگر شرط ہو،تو پھر "ضع وتعجل "کا مسئلہ ہو جائے گا،اور "ضع وتعجل " میں راجح قول کے مطابق اگر ثمن کی کمی تعجیل کے ساتھ مشروط ہو تو اس صورت میں ثمن میں کمی کرنا جائز نہیں۔

المعاییر الشرعیۃ میں ہے۔

"لایجوز زیادة الثمن لتمدید اجل السداد اماتحفیض الثمن عند تعجیل السداد فیجوز اذاکان غیرمشروط فی العقد"[1]

ترجمہ:

ثمن کو بڑھانا جائز نہیں ہے ادائیگی کی مدت کو بڑھانے کیلئے اور ثمن ادائیگی کی مقررہ مدت سے پہلے ادائیگی پر کم کرنا جائز ہے بشر طیکہ عقد میں یہ بات مشروط نہ ہو۔

احکام القرآن میں ہے:

"ومن اجاز من السلف اذ اقال :عجل لی واضع عنک ،فجائز ان یکون اجازوہ اذالم یجعلہ شرطاًفیه وذلک بان یضع عنه بغیر شرط،ویعجل الاخر الباقی شرط"-[2]

ترجمہ:

"جن اسلاف نے اس صورت کو جائز قرار دیا ہے کہ اگر کوئی شخص اپنے مدیون سے کہے کہ "تم میرا دین جلد ادا کر دو، میں تمہیں کچھ دین معاف کر دوں گا" بظاہر تو انہوں نے جواز کا یہ قول اس صورت میں اختیار کیا ہے جب کہ دین میں یہ کمی تعجیل کے ساتھ مشروط نہ ہو،دائن بغیر شرط کے دین کا کچھ حصہ ساقط کر دے اور مدیون بغیر کسی شرط کے دین جلدی ادا کر دے"

خریدار نے مہر بنوانے کے لئے پیشگی رقم دی اور ایک سال تک نہیں آیاتو اس رقم کو استعمال کرنے کا حکم

کاریگر کے پاس خریدار نے مہر بنانے کے لئے پیشگی ایک سو رر قم ادا کر دیے اور رقم دیے ہوئے ایک سال ہو گیا،وہ خریدار لوٹ کر نہیں آیا اب اس رقم کو کسی کام میں لانا جائز ہے کہ نہیں؟

استصناع میں چونکہ پیشگی رقم لینا صانع کے لئے جائز ہے، لہٰذا کاریگر کے لئے اس رقم کو اپنے ذاتی استعمال

---

[1] النجدی،عبدالرحمٰن،**المعاییر الشرعیۃ**، 309

[2] الجصاص،احمد بن علی الرازی،**احکام القرآن للجصاص**،(بیروت:دار الفکر،الطبعة الثانیة،1310)4/467،

مزید عثمانی،**اسلام اور جدید معاشی مسائل**،1/118

میں لاناجائز ہے ،اور مہر کو اپنے پاس رکھ دے جب مستصنع آئے گا تو اس کا مہر اس کے حوالے کر دے ،اگر مہر اس کی مرضی کے مطابق نہ ہو،اور وہ اپنی رقم واپس لینے کا مطالبہ کرے تو عقد کو فسخ کرکے اس کی رقم واپس کی جائیگی۔[1]

عقد استصناع کے بعد ایمر جنسی حالات پیدا ہو جائیں تو ثمن میں کمی یا زیادتی کا حکم

عقد استصناع ہونے کے بعد اگر کوئی ایسی صورت حال پیدا ہو جائے جو استصناع کی ثمن میں زیادتی یا کمی کا تقاضہ کرتی ہو،مثلاً صانع اور مستصنع کے درمیان ایک بلڈنگ بنانے پر عقد استصناع ہوا کہ صانع اس وقت کے لحاظ سے پچاس لاکھ میں بلڈنگ بنائے گا،ابھی کام جاری تھا کہ اچانک سیمنٹ اور سریہ کی قیمتیں زیادہ یا کم ہو گئیں ،اب اگر صانع پرانی قیمت پر بلڈنگ بنائے تو اس کا نقصان ہو گا،اسی طرح اگر قیمتیں کم ہو جائیں تو اس صورت میں مستصنع کا نقصان ہو گا،لہٰذا اس صورت میں صانعاور مستصنع باہمی اتفاق سے حالات کے اعتبار سے ثمن میں کمی یا زیادتی کر سکتے ہیں،اور اگر صانع اور مستصنع کے درمیان کسی ایک ثمن پر آپس میں اتفاق نہ ہو سکا،تو پھر دوراستے ہیں یا تو کسی کو حکم بنا کر قیمت کا تعین کیا جائے یا پھر قاضی کے پاس جایا جائے اور قضاء کے ذریعہ اس کا فیصلہ کرایا جائے۔

اس مشکل کا بہتر حل یہ بھی ہے کہ شروع عقد میں صانع اور مستصنع باہمی اتفاق سے یہ طے کر لے کہ اگر بعد میں جا کر کوئی ایسی صورت حال پیدا ہو گئی جو ثمن میں کمی یا زیادتی کا تقاضہ کرتی ہو تو اس کے مطابق عمل کیا جائے گا،اس لئے کی موجودہ دور میں ہر دوسرے روز اشیاء کی قیمتیں بدل جاتی ہیں۔

محمد تقی عثمانی فقہ البیوع میں ہے۔

ان طرات ظروف تستدعی تعدیل ثمن الاستصناع زیادۃًاورنقصان ،فانه یجوز باتفاق الطرفین ،وینبغی ان یجوز اتفاق الطرفین علی معیار للتعدیل فی بدایة العقد ،مثل ان یتفقا علی انه ان زادسعر الاسمت ،او الحدید فی الاستصناع بناء بنسبةمعلومة -[2]

ترجمہ:اگر ایسے حالات پیدا ہوں کہ استصناع کے ثمن میں اضافہ یا کمی کی ضرورت ہو،تو یہ دونوں فریقوں کے اتفاق سے جائز ہے،اور دونوں فریقوں کے لیے جائز ہونا چاہیے کہ وہ عقد کے شروع میں ترمیم کے کسی معیار پر متفق ہوں۔ جیسے کہ وہ اس بات پر متفق ہوں کہ اگر سیمنٹ کی قیمت یا لوہے کی قیمت بڑھ جائے تو

---

[1] الفتاوی الھندیہ:باب فی السلم(3/208)وفتاوی کتاب النوازل(پنڈی:مکتبہ ایمان،الطبعۃ:الثانیۃ،2018) 11/77

[2] عثمانی،**فقہ البیوع**،2/1166

معلوم فیصد کی بنیاد پر ثمن میں اضافی ہو گا۔

اسی طرح معاییر الشرعیۃ میں ہے۔

"اذا وجدت ظروف طارئة تستدعی تعدیل ثمن الاستصناع زیادة اونقصاًفانه یجوز باتفاق الطرفین ،او بالتحکیم او بالرجوع الی القضاء"[1]

ترجمہ:

اگر ایسی ہنگامی صورت حال پیدا ہو جو استصناع کے ثمن میں کمی یا زیادتی کا متقاضی ہو تو ایسا کرنا فریقین کی رضامندی سے یا کسی ثالث کے فیصلے سے یا عدالت سے رجوع کر کے جائز ہے۔

ہاؤسنگ فائنانس

مکان انسان کی بنیادی ضرورت میں سے ہے اس کے بغیر انسان کے لئے زندگی گزارنا بہت مشکل ہے۔

قرآن کریم میں اللہ تعالی کا ارشاد ہے

﴿وَاللَّهُ جَعَلَ لَكُمْ مِنْ بُيُوتِكُمْ سَكَنًا ﴾[2]

ترجمہ: "اور اللہ تعالی نے تمہارے لئے گھر رہنے کی جگہ بنائی۔"

حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا۔

(الْمَرْأَةُ الصَّالِحَةُ، وَالْمَسْكَنُ الْوَاسِعُ، وَالْجَارُ الصَّالِحُ، وَالْمَرْكَبُ الْهَنِيءُ)[3]

ترجمہ: "تین چیزیں انسان کی نیک نیتی کی علامات ہیں۔ نیک بیوی، کشادہ مکان، آرام دہ سواری۔"

آج کے دور میں ایک مناسب اور کشادہ مکان کے حصول کے لئے بہت مشکلات کا سامنا کرنا پڑتا ہے اور خاص طور پر گنجان آبادی والے شہروں میں اور زیادہ مشکلات پیش آتی ہیں اس کی وجہ یہ ہے کہ آج کی زندگی بہت پیچیدہ ہو چکی ہے، آبادی میں مسلسل اضافہ ہو رہا ہے اور مہنگائی روز بروز بڑھ رہی ہے اور جو لوگ اپنے لئے نئے مکان خریدنے یا بنانے کی صلاحیت رکھتے ہیں ان کی تعداد بہت کم ہے۔ ان حالات کو دیکھتے ہوئے دور حاضر میں بہت سے بڑے بڑے شہروں میں ہاؤس فائنانسنگ کے ادارے قائم ہو چکے ہیں جو لوگوں کے لئے مکان خریدنے یا بنوانے کی خدمات سرانجام دیتے ہیں لیکن ان میں سے اکثر ادارے

---

[1] النجدی، **المعاییر الشرعیۃ**، 303

[2] سورۃ النحل: 80

[3] الترمذی، **سنن الترمذی**، باب السلم، ح: 3390

سودی نظام ہی کے تحت کام کرتے ہیں چنانچہ یہ ادارے اس مقصد کے لئے اپنے گاہگوں کو قرضے فراہم کرتے ہیں اور پھر ان قرضوں پر ایک متعین شرح سے سود حاصل کرتے ہیں جس شرح پر فریقین معاہدہ کرتے وقت اتفاق کر لیتے ہیں۔ چونکہ یہ معاملہ سود کی بنیاد پر کیا جاتا ہے اور سود کا معاملہ شریعت اسلامیہ میں ان بڑے محرمات میں داخل ہے جن کو اللہ تعالی نے اپنی کتاب قرآن کریم میں صراحتا منع فرمایا ہے، اس لئے کسی مسلمان کے لئے مناسب نہیں کہ وہ کوئی ایسا معاملہ کرے جو سودی لین دین پر مشتمل ہو اس لئے علماء پر واجب ہے کہ یہ لوگوں کی سہولت کے لئے ہاؤس فائنانسنگ کا کوئی ایسا طریقہ تجویز کریں جو شریعت مطہرہ کے مطابق ہو اور وہ طریقہ سودی نظام پر مشتمل طریقے کا متبادل بھی بن سکے۔ اسلامی حکومت کی ذمہ داری میں یہ بات داخل ہے کہ وہ عوام سے کسی نفع کا مطالبہ کیے بغیر ان کی بنیادی ضروریات کو پوری کرے اور وہ ضروریات ان کو فراہم کرے۔ چونکہ مکان بھی ہر انسان کی بنیادی ضرورتوں میں داخل ہے۔

اس لئے ہر انسان کا یہ حق ہے کہ وہ اپنے مالی وسائل کی حدود میں رہتے ہوئے اس بنیادی ضرورت کو حاصل کرے اور جس شخص کے مالی وسائل تنگ ہیں نہ تو وہ مکان خرید سکتا ہے اور نہ وہ اپنی جیب سے مکان تعمیر کر سکتا ہے تو اس صورت میں حکومت کی ذمہ داری بنتی ہے کہ وہ مندرجہ ذیل تین طریقوں میں سے کسی ایک طریقے سے اس ضرورت کو پوری کرے۔

اگر وہ شخص مستحق زکوۃ ہے تو پھر زکوٰۃ فنڈ سے اس کی مدد کرتے ہوئے اس کی ضرورت پوری کرے۔

صرف واقعی اخراجات کی بنیاد پر اس کو مکان فراہم کرے اور اس پر کسی نفع کا مطالبہ نہ کرے۔

حکومت اس شخص کو قرضِ حسَنہ فراہم کرے جس پر اس سے کسی منافع یا سود کا مطالبہ نہ کرے کیونکہ سود کا مطالبہ ناجائز ہے۔[1]

ہاؤس فائنانسنگ میں تین طریقے اصل ہیں جو اسلامی معاشرے کے مزاج کے بالکل موافق ہیں جو معاشرہ ایک دوسرے کے ساتھ ہمدردی اور اچھے اور نیک کاموں میں ایک دوسرے کے ساتھ تعاون کی بنیاد پر قائم ہے اور جس میں دوسرے کی تکلیف کو اپنی تکلیف اور دوسروں کی راحت کو اپنی راحت تصور کیا جاتا ہے اور جس معاشرے میں کمزور کے ساتھ تعاون اور اس کی مدد کی جاتی ہے تاکہ وہ بھی ایک متوسط درجے

---

[1] عثمانی، **فقہ البیوع**، 2/1187

کی خوشحال زندگی گزار سکے۔ لیکن مسئلہ یہ ہے کہ مندرجہ بالا تین طریقوں یا کسی ایک طریقے پر عمل صرف اس حکومت کے لئے ممکن ہے جس کے پاس زرائع آمدنی اور وسائل بہت بڑی تعداد میں موجود ہوں، اس لئے کہ ان میں سے ہر ایک صورت بہت بھاری رقم چاہتی ہے اور خاص طور پر ہمارے اس دور میں جس میں آبادی بہت زیادہ ہو چکی ہے اور مہنگائی بھی بہت ہو چکی ہے۔ لیکن اس میں کوئی شک نہیں کہ حکومت اپنے غیر وپیداواری اسکیموں اور منصوبوں میں کمی واقع کر کے اس کے لئے بچت کر سکتی ہے اور پھر اس بچت کو ہاؤس فائنانسنگ میں استعمال کر سکتی ہے اسی طرح ان بھاری اخراجات میں کمی کر کے بھی ان وسائل کو بڑھایا جا سکتا ہے جن کا مقصد صرف دکھاوا اور خوش عیشی کے علاوہ کچھ نہیں ہے لیکن ان اخراجات میں کمی کرنے کے باوجود بھی آج مسلم ممالک کی بڑی تعداد اس کی صلاحیت نہیں رکھتی کہ وہ تمام لوگوں کے لئے اس طریقے سے رہائش فراہم کرے۔ ان حالات میں ایسے طریقے اختیار کرنا ضروری ہے جس میں حکومت کو رہائش فراہم کرنے پر نہ تو زیادہ سبسڈی دینا پڑے اور نہ بھاری اخراجات برداشت کرنے پڑیں اور وہ طریقے سود اور دوسرے ممنوعات شرعیہ سے بھی پاک ہوں وہ طریقے مندرجہ ذیل ہیں:

1. بیع مؤجل

سرمایہ کار کمپنی مکان خرید کر اس کی مالک بن جائے پھر گاہک کو نفع کے ساتھ اُدھار فروخت کر دے اور پھر کمپنی گاہک سے عقد میں طے شدہ قسطوں کے مطابق قیمت وصول کرے اور اس میں نفع کا تناسب بیان کئے بغیر بھی اُدھار فروختگی کا معاملہ کیا جا سکتا ہے۔ اس صورت میں نفع کے تناسب کے تعین کا اختیار سرمایہ کار کمپنی کو ہو گا اور یہ بھی ممکن ہے کہ اس اُدھار بیع کا معاملہ مرابحہ کے طریقے پر کیا جائے اور عقد کے اندر اس کی صراحت کر دی جائے کہ کمپنی اس مکان پر آنے والے اصل اخراجات سے اس قدر زائد نفع گاہک سے وصول کریگی۔ پھر مندرجہ بالا طریقے کی کئی صورتیں ہو سکتی ہیں پہلے یہ کہ اگر عقد کے وقت وہ مکان تیار موجود ہے پھر تو مندرجہ بالا طریقے پر کمپنی وہ مکان خود خرید کر گاہک کو اُدھار فروخت کر دے، دوسرا یہ کہ عقد کے وقت وہ مکان تیار موجود نہیں ہے بلکہ کمپنی مکان تیار کرنا چاہتی ہے تو اس صورت میں یہی ہو سکتا ہے کہ کمپنی اسی گاہک کو مکان بنانے کے لئے اپنا وکیل مقرر کر دے اس صورت میں تعمیر کمپنی ہی کی ملکیت میں ہو گی اور گاہک صرف کمپنی کے وکیل کے طور پر اس تعمیر کی نگرانی

کرے گا اور تعمیر مکمل ہونے کے بعد کمپنی وہ مکان گاہک کو اُدھار فروخت کر دے گی۔ یہ تو وہ صورت ہے جس میں گاہگ کمپنی کے ساتھ مکان خریدنے یا تعمیر کرنے میں کسی بھی قسم کے مالی اشتراک کی صلاحیت نہیں رکھتا۔[1]

البتہ اگر گاہک میں مکان کی خریداری یا تعمیری اخراجات میں نقدر قم لگا کر اشتراک کی صلاحیت تو موجود ہے لیکن اس کے پاس اتنی رقم نہیں ہے کہ وہ اس رقم کے ذریعے مکان خریدنے یا تعمیر کرنے پر آنے والے تمام اخراجات پورے کر سکے اس لئے گاہک یہ چاہتا ہے کہ وہ اپنی رقم لگانے کے بعد بھی رقم کی مزید ضرورت ہو تو صرف اتنی رقم وہ کمپنی سے طلب کرے جیسا کہ آج کل اکثر ہاؤس فائنانسنگ کمپنیوں میں یہی طریقہ رائج ہے تو اس کی صورت یہ ہے کہ کمپنی اور گاہگ دونوں مل کر مشترک طور پر مکان خریدیں ۔ مثلا اس مکان کی نصف قیمت گاہک ادا کرے اور نصف قیمت کمپنی ادا کرے اور اب یہ مکان دونوں کے درمیان نصف نصف کے اعتبار سے مشترک ہو جائے گا اور پھر کمپنی اپنا نصف حصہ قیمت خرید سے کچھ زیادہ قیمت پر گاہک کو اُدھار فروخت کر دے اور قسطوں میں اس سے قیمت وصول کرے۔

اور اگر گاہک پہلے خالی زمین خرید کر پھر اس میں تعمیر کرنا چاہتا ہے اور اس کے پاس کچھ رقم موجود ہے تو اس صورت میں زمین کی خریداری کی حد تک تو وہی طریقہ اختیار کیا جاسکتا ہے جو ہم نے اوپر مکان خریدنے کے سلسلے میں بیان کیا وہ یہ کہ گاہک اور کمپنی دونوں مشترکہ طور پر زمین خرید لیں اور پھر کمپنی اپنا حصہ گاہک کو زیادہ قیمت پر قسطوں پر فروخت کر دے۔ اور اگر زمین پہلے سے گاہک کی ملکیت میں موجود ہے یا مندرجہ بالا طریقہ پر زمین اس کی ملکیت میں آچکی ہے اور اب گاہک اس زمین پر ہاؤس فائنانسنگ کے واسطے سے مکان تعمیر کرنا چاہتا ہے (اور گاہگ کے پاس کچھ رقم موجود ہے تو اس صورت میں یہ ممکن ہے کہ کمپنی اور وہ گاہگ دونوں مشترک طور پر اس کی تعمیر کریں مثلا تعمیر پر آنے والے نصف اخراجات کو گاہگ برداشت کرے اور نصف اخراجات کمپنی برداشت کرے اس صورت میں وہ تعمیر گاہک اور کمپنی کے درمیان مشترک ہو جائے گی لہذا جب تعمیر مکمل ہو جائے تو اس کے بعد کمپنی اپنا حصہ گاہگ کو نفع لگا کر آدھا فروخت کر دے اور شرعا مشترک چیز کے ایک شریک کے لئے اپنا حصہ دوسرے شریک کر فروخت کرنا جائز ہے البتہ کسی اجنبی کے ہاتھ فروخت کرنے کے بارے میں اختلاف ہے علام ابن عابدین

---

[11] عثمانی، **فقہ البیوع**، 2/1177

رحمۃ اللہ علیہ درالمختار میں فرماتے ہیں کہ:

" لو باع أحد الشريكين في البناء حصته لِأَجنبي لا يجوز ولِشريكه جاز"[1]

ترجمہ:

"اگر مکان کے دو شریکوں میں سے کسی ایک شریک نے اپنا حصہ اجنبی کے ہاتھ فروخت کیا تو جائز نہیں البتہ اپنے شریک کے ہاتھ فروخت کیا تو جائز ہے۔"

لہٰذا مندرجہ بالا صورت میں قیمت کی ادائیگی کی ضمانت کے طور پر کمپنی کیلئے جائز ہے کہ وہ گاہک سے رہن کا مطالبہ کرے اور کمپنی کیلئے یہ بھی جائز ہے کہ وہ مکان کے کاغذات اپنے پاس بطور رہن کے رکھ لے۔ مندرجہ بالا طریقے شرعی لحاظ سے بالکل درست ہیں، البتہ کمپنی اس قسم کے معاملات اس وقت تک نہیں کرتی جب تک کمپنی کو اس بات پر مکمل اعتماد نہ ہو جائے کہ جو مکان کمپنی خرید رہی ہے یا کمپنی جس مکان کی تعمیر کر رہی ہے گاہک اس مکان کو ضرور خریدے گا اس لئے کہ اگر کمپنی نے اپنی کثیر رقم خرچ کر کے اس مکان کو خرید لیا اور بعد میں گاہک نے اس کو خریدنے سے انکار کر دیا تو اس صورت میں صرف یہ نہیں کہ کمپنی کا نقصان ہو جائے گا بلکہ پورا نظام ہی سرے سے ناکام ہو جائے گا۔ اور چونکہ مستقبل کی کسی تاریخ کی طرف نسبت کر کے فروختگی کا معاملہ FUTURE SALE کرنا جائز نہیں اس لئے مندرجہ بالا طریقے کو کامیاب بنانے کی یہی صورت ہے کہ گاہک اس بات کی یقین دہانی کرائے کہ وہ اس مکان یا زمین کی خریداری یا تعمیر کے بعد کمپنی کے حصے کو ضرور خریدے گا۔ گاہک کی طرف سے کمپنی کے حصے کو خریدنے کی یقین دھانی ایک وعدہ کی حیثیت رکھتی ہے، اور اکثر فقہاء کے نزدیک وعدہ قضاء لازم نہیں ہوتا لیکن فقہاء کی ایک بہت بڑی تعداد ایسی ہے جو وعدہ کو دیانۃ اور قضاء دونوں طریقوں سے لازم سمجھتی ہے اور امام مالکؒ کا مشہور مذہب بھی یہی ہے۔ چنانچہ وہ وعدہ کو لازم قرار دیتے ہیں خاص طور پر اس وقت جب اس وعدہ کی وجہ سے موعود لہ (جس سے وعدہ کیا گیا) کسی مشقت میں پڑ جائے۔

چنانچہ علیش مالکی[2] رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

---

[1] ابن عابدین، **ردالمحتار**، 4/300

[2] **تعارف**: ابوعبداللہ، محمد بن احمد بن محمد علیش (1802-1882) مغربی طرابلس کے لوگوں سے تعلق رکھنے والے مراکش نژاد، مالکیت برادری کے ایک فقیہ تھے۔ آپ قاہرہ میں پیدا ہوئے اور جامعۃ الازہر میں تعلیم پائی۔ اور چونکہ آپ پر عربی انقلاب کے ساتھ وفادار ہونے کا الزام لگایا گیا تھا، اس لیے آپ کو گھر سے بیماری کی حالت میں اٹھا کر لے جایا گیا اور ہسپتال کے جیل میں ڈال دیا گیا۔

"فالوفاء بالعدة مطلوبه القضاء بها على اربعةاقوال---"[1]

ترجمہ:

وعدہ پورا کرنا بلا اختلاف مطلوب ہے البتہ قضاء وعدہ پورا کرنے کے واجب ہونے میں اختلاف ہے اور اس کے بارے میں چار اقوال ہیں علامہ ابن رشد رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی کتاب جامع البیوع اور کتاب العاریہ اور کتاب العدۃ میں ان اقوال کو ذکر فرمایا ہے۔[2] اور بہت سے فقہاء نے ان سے نقل کیا ہے پہلا قول ہے کہ اس وعدہ کے مطابق فیصلہ کر دیا جائے گا اور دوسرا قول یہ ہے کہ اس وعدہ کے مطابق بالکل فیصلہ نہیں کیا جائے گا۔ تیسرا قول یہ ہے کہ اگر اس وعدہ کا کوئی سبب موجود ہو تو قضاء وہ وعدہ لازم ہو جائے اگرچہ موعود لہ اس وعدہ کی وجہ سے کسی عمل میں داخل نہ ہو۔ کوئی کام نہ کیا ہو، مثلاً آپ کسی شخص سے کہیں کہ میرا شادی کرنے کا ارادہ ہے، یا فلاں چیز خریدنے کا ارادہ ہے تم مجھے اتنی رقم قرض دے دو۔ اس نے کہا کہ ٹھیک ہے اس کے بعد کسی وجہ سے اس نے شادی کا ارادہ ختم کر دیا یا اس چیز کی خریداری کا ارادہ ختم ہو گیا تب بھی اُدھار دینے کے وعدہ کو پورا کرنا لازم ہو گا چوتھا قول یہ ہے کہ اگر اس وعدہ کا کوئی سبب اور موعُود لہ اس وعدہ کی وجہ سے کوئی کام کر بیٹھے تو قضاء اس وعدہ کو پورا کرنا ضروری ہے تمام اقوال میں سے یہ آخری قول زیادہ مشہور ہے۔ شیخ عبد اللہ لکھتے ہیں کہ:

"وقول رابع هو المشهور أنه إذا أدخل الموعود به في ورطة فإنه يلزم"

ترجمہ: چوتھا قول اور وہی مشہور ہے، اگر اس نے وعدہ کرنے والے کو مصیبت میں ڈال دیا تو اس پر واجب ہے۔

امام قرافی رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں[3]:

قال سحنون[4] : الذي يلزم من .-------[5]

امام سحنون رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں جو وعدہ لازم ہو جاتا ہے وہ یہ ہے کہ آپ نے یہ وعدہ کیا کہ تم اپنا مکان

---

[1] الشیخ، محمد علیش، **فتح العلی للمالک**، (القاھرۃ: مکتبۃ ابن تیمیۃ، الطبعۃ الاولیٰ، 2007)، **252/1**

[2] ابن رشد، محمد بن احمد، **جامع البیوع**، (بیروت: دار الغرب الاسلامی، الطبعۃ الثانیۃ، 1988)3/137

[3] امام قرافی کا پورا نام مع نسبت یوں ہے: امام شہاب الدین ابو العباس احمد بن ابی العلاء ادریس بن عبد الرحمن بن عبد اللہ القرافی مصری مالکی۔ امام قرافی کی نسبت 'قرافہ' نامی جگہ کی طرف ہے جو اس علاقے کا نام ہے جہاں فاتح مصر عمرو بن العاص نے ایک شہر کی بنیاد ڈالی تھی۔ اس شہر کا ایک محلہ قبیلہ قرافہ کے وہاں آباد ہونے کی وجہ سے قرافہ کہلایا۔ عام طور پر قبائل کے نام بھی کسی سردار یا اہم شخصیت کے نام پر رکھے جاتے ہیں اور کہا جاتا ہے کہ قرافہ اس قبیلے کے اَجداد میں سے ایک خاتون کا نام تھا۔ امام قرافی کی نسبت ان کے خاندان کے یہاں آباد ہونے کی وجہ سے ہے، نہ کہ اصل کے اعتبار سے۔

[4] امام سحنون (776ء-854ء) ابو سعید عبد السلام سحنون بن سعید بن حبیب التنوخی ہیں۔ مغرب کے مشہور مالکی فقہاء میں سے ایک ہیں۔

[5] القرافی، احمد بن ادریس، **الفروق للقرافی** (قاہرہ: عالم الکتب، الطبعۃ: الأولی، 1409)، 4/25

گرادو، میں آپ کو مکان بنانے کے لئے قرض فراہم کروں گا۔ یا یہ کہا کہ تم حج کے لئے چلے جاؤ میں قرض دونگا یا آپ نے کہا کہ تم فلاں چیز خرید لو، یا کسی عورت سے شادی کرلو میں قرض فراہم کروں گا، ان تمام صورتوں میں وعدہ پورا کرنا لازم ہے اسلئے کہ تم نے اس سے وعدہ کر کے اس کو اس کام میں داخل کیا ورنہ جہاں تک مجرد وعدہ کا تعلق ہے تو اس کو پورا کرنا لازم نہیں ہے البتہ ایسے وعدے کو بھی پورا کرنا مکارم اخلاق میں سے ہے۔

علامہ ابن الشاطؒ تحریر فرماتے ہیں۔

"ألصحيح عندی ألقول بلزوم الوفاء بالوعد مطلقا،فيتعين تاويل ما يناقض ذلک۔" [1]

میرے نزدیک صحیح قول یہ ہے کہ مطلقا ہر وعدے کو پورا کرنا لازم ہے اس اصول کے خلاف جو بات ہو گی اس کی تاویل کی جائے گی۔

اسی طرح متاخرین حنفیہ نے بھی چند مسائل میں وعدہ کو قضاء لازم قرار دیا ہے جیسا کہ بیع بالوفاء کے مسئلے میں ہیں۔ چنانچہ قاضی خان رحمۃ اللہ علیہ "بیع بالوفاء" کے مسئلے میں تحریر فرماتے ہیں:

"وإن ذكر البيع من غير شرط، ثم ذكر الشرط علىٰ وجه المواعدة جازالبيع ، ويلزمه الوفاء بالوعد ، لان المواعدة لازمة فتجعل لازمة لحاجة الناس" [2]

اگر بیع بغیر شرط کے کی جائے اور اس کے بعد شرط کو بطور وعدہ کے بیان کر دیا جائے تو بیع جائز ہو جائے گی اور اس وعدہ کو پورا کرنا لازم ہو گا اس لئے کہ باہمی وعدہ کبھی لازم بھی ہوتا ہے لہذا اس وعدہ کو لوگوں کی ضرورت کی وجہ سے لازم قرار دیا جائے گا۔

علامہ ابن عابدین رحمۃ اللہ تحریر فرماتے ہیں:

"وفی جامع الفصولين إيضاء: لو ذكرا البيع بلاشرط، ثم ذكرا الشرط على وجه العدة جاز البيع، ولزم الوفاء بالوعد،. اذ المواعيد قد تكون لازمة، فيجعل لازما لحاجة الناس"[3]

ترجمہ:

جامع الفصولین" میں بھی یہ عبارت موجود ہے کہ اگر بائع اور مشتری بلا کسی شرط کے بیع کریں اور پھر شرط

---

[1] ابن نشاط، محمد بن احمد، **حاشیۃ الفروق** (ریاض: مکتبۃ الرشد، الطبعۃ: الأولی، 1409)4/24، 25

[2] **الفتاویٰ الخانیۃ**، فصل فی الشروط المفسدۃ فی البیع 2/138

[3] ابن عابدین، **ردالمحتار**، 4/135

کو بطور وعدہ کے ذکر کریں تو بیع جائز ہو گی اور اس وعدے کو پورا کرنا لازم ہو گا اس لئے کہ اس کے باہمی وعدے بعض اوقات لازم ہو جاتے ہیں لذا یہاں بھی لوگوں کی ضرورت کی بناء پر لازم قرار دیا جائے گا۔

بہر حال مندرجہ بالا عبارتِ فقہیہ کی بنیاد پر اس قسم کے وعدوں کو قضاءً لازم قرار دینا جائز ہے لہٰذا زیر بحث مسئلے میں جس معاہدہ پر دونوں فریق کے دستخط ہیں اس معاہدہ کے مطابق گاہک نے جو یہ وعدہ کیا ہے کہ زمین یا عمارت میں کمپنی کا جتنا حصہ ہے وہ اس حصے کو خرید لے گا یہ وعدہ قضاء و دیانۃً پورا کرنا لازم ہو گا۔ البتہ یہ ضروری ہے کہ کمپنی کے حصے کی بیع اس وقت ہو جب کمپنی اپنے وہ حصے کی مالک بن جائے اس لئے کہ "بیع" کو زمانہ مستقبل کی طرف منسوب کرنا(FUTURE SALE) جائز نہیں، لہٰذا جب کمپنی اپنے حصے (زمین یا عمارت کی) مالک بن جائے اس وقت کمپنی مستقل ایجاب و قبول کے ذریعہ گاہک کے ساتھ بیع کا معاملہ کرے۔

2. شرکت متناقصہ

ہاؤس فائنانسنگ کا دوسرا طریقہ "شرکت متناقصہ" پر مبنی ہے جو مندرجہ ذیل نکات پر مشتمل ہوتا ہے۔

سب سے پہلے گاہک اور کمپنی "شرکت ملک" کی بنیاد پر مکان خریدیں گے جس کے بعد وہ مکان مشترک ہو جائے گا اور جس فریق نے اس کی خریداری میں جس تناسب سے رقم لگائی ہو گی اسی تناسب سے وہ اس مکان کا مالک ہو گا، پس اگر دونوں فریقوں نے نصف نصف لگائی ہو گی تو وہ مکان دونوں کے درمیان آدھا آدھا ہو گا۔ اور اگر ایک فریق نے ایک تہائی رقم لگائی اور دوسرے فریق نے دو تہائی رقم لگائی تو وہ مکان اسی تناسب سے دونوں کے درمیان مشترک ہو جائے گا۔

پھر کمپنی ماہانہ یا سالانہ کرایہ طے کر کے اپنا حصہ اس گاہک کو کرایہ پر دے دے گی۔

پھر اس مکان میں کمپنی کا جتنا حصہ ہے اس کو چند متعین حصوں میں مثلاً دس برابر حصوں میں تقسیم کر دیا جائے گا۔

اس کے بعد فریقین آپس میں ایک متعین عرصہ طے کر لیں (مثلاً چھ ماہ یا سال کا عرصہ) پھر گاہک پر اس عرصہ میں کمپنی کی کل مالیت کے اس حصے کو اس کی قیمت ادا کر کے خریدے گا، مثلاً اس مکان میں کمپنی کا جو حصہ ہے اس کی قیمت دو لاکھ روپے ہے، پھر جب اس کو دس حصوں میں تقسیم کر دیا تو ہر ایک حصے کی قیمت 20 ہزار روپے ہو گی۔ لہذا گاہک ہر چھ ماہ بعد کمپنی کو 20 ہزار روپے ادا کر کے اس کے ایک ایک حصے

کا مالک بنتا رہے گا۔ گاہگ جس قدر حصے خرید تا رہے گا، اسی حساب سے اس کی ملکیت میں اضافہ ہو تا چلا جائے گا۔ اور کمپنی کی ملکیت اس مکان میں کم ہوتی چلی جائے گی۔

چونکہ اس نے کمپنی کا حصہ کرایہ پر لیا ہوا تھا اس لئے جس قدر وہ کمپنی کے حصے خرید تا رہے گا اسی حساب سے کرایہ بھی کم ہو تا چلا جائے گا۔ مثلاً اگر کمپنی کے حصے کا کرایہ ایک ہزار روپے طے ہوا تھا تو گاہگ جس قدر حصے خریدے گا ہر حصے کی خریداری کے بعد ایک سو روپے کرایہ کم ہو جائے گا لہٰذا ایک حصے کی خریداری کے بعد کرایہ نو سو روپے ہو جائے گا اور دو حصوں کی خریداری کے بعد کرایہ آٹھ سو روپے ہو جائے گا۔ حتیٰ کہ جب گاہگ کمپنی کے دس کے دس حصے خریدے گا تو وہ پورا مکان گاہک کی ملکیت ہو جائے گا اور اس طرح یہ شرکت اور کرایہ داری کے دونوں معاملے بیک قت اپنے انتہاء کو پہنچ جائیں گے۔

مذکورہ بالا تفصیلات سے معلوم ہو تا ہے کہ ہاؤس فائنانسنگ کا مندرجہ بالا طریقہ تین معاملات پر مشتمل ہے نمبر ایک فریقین کے درمیان شرکت ملک کا قیام، کمپنی کے حصے کو گاہگ کا کرایہ پر لینا نمبر تین کمپنی کے حصے کو مختلف حصوں میں تقسیم کر کے گاہگ کے ہاتھ ایک ایک کر کے فروخت کر دینا۔ ان تینوں معاملات کو پہلے علیحدہ علیحدہ بیان کرنے کے بعد پھر مجموعی لحاظ سے ہاؤس فائنانسنگ کے اس طریقے کا شرعی جائزہ لیں گے۔ جہاں تک پہلے معاملے کا تعلق ہے یعنی کمپنی اور گاہگ کا مشترکہ طور پر مکان خریدنا تو شرعی لحاظ سے اس میں کوئی قباحت نہیں اس لئے کہ اس خریداری کے نتیجے میں دونوں فریقوں کے درمیان شرکت ملک قائم ہو جائے گی۔ شرکت ملک کی فقہاء نے مندرجہ زیل تعریف کی ہے۔

بہر حال، زیر بحث مسئلے میں وہ مکان دونوں کے مشترک مال سے خریدنے کے نتیجے میں اس کے اندر شرکت ملک" وجود میں آگئی۔ جہاں تک دوسرے معاملے کا تعلق ہے یعنی اس مکان میں کمپنی کے حصے کو گاہگ کا کرایہ پر لینا تو کرایہ داری کا یہ معاملہ بھی شرعاً جائز ہے، اس لئے مشترکہ چیز کو شریک کے علاوہ دوسرے کو کرایہ پر دینے کے جواز اور عدم جواز میں تو فقہاء کا اختلاف ہے لیکن مشترک چیز کو شریک کو کرایہ پر دینے کے جواز پر فقہاء کا کوئی اختلاف نہیں۔

چنانچہ علامہ ابن قدامہ رحمۃ اللہ علیہ تحریر فرماتے ہیں:

"ولا تجوز إجارة المشاع لغیر الشریک، إلا أن یوجرالشریکان معا، وهذا قول أبي حنیفةؒ و زفرؒ لانه لا یقدر علی تسلیمه فلم تصح الاجارة ،واختار ابوالحفص الاکبری

جواز ذالک -----"[1]

ترجمہ: مشترکہ چیز کو شریک کے علاوہ دوسرے کو کرایہ پر دینا جائز نہیں، البتہ اس وقت جائز ہے جب دونوں شریک ایک ساتھ ایک آدمی کو کرایہ پر دیں، یہ امام ابو حنیفہ اور امام زفر رحمھما اللہ کا قول ہے ناجائز ہونے کی وجہ یہ ہے کہ اس چیز کے مشترکہ ہونے کی وجہ سے ایک شریک اپنا حصہ کرایہ دار کے سپرد کرنے پر قادر نہیں ہے، اس لئے یہ اجارہ درست نہیں البتہ ابو حفص العکبری[2] رحمہ اللہ نے اس اجارہ کے جواز کا قول اختیار کیا ہے اور امام احمد رحمۃ اللہ علیہ نے بھی اس کے جواز کی طرف اشارہ کیا ہے اور امام مالک امام شافعیؒ امام ابو یوسف اور امام محمدؒ کا بھی یہی قول ہے اس کی وجہ جواز یہ ہے کہ وہ مشترک حصہ معلوم اور متعین ہے اور جب اس متعین حصے کی بیع جائز ہے تو اس کا اجارہ بھی جائز ہونا چاہئے، جیسا کہ علیحدہ کیے ہوئے حصے کی بیع و اجارہ جائز ہوتا ہے، دوسرا یہ کہ وہ شریک اپنی ہی ملک کے اندر معاملہ کر رہا ہے پس جس طرح شریک کے ساتھ جائز ہے غیر شریک کے ساتھ بھی جائز ہے۔

علامہ حصکفیؒ الدر المختار میں فرماتے ہیں:

"وتفسد (ای -الاجارة) ایضا بالشیوع الا اذا اضر کل نصیبه بعضه من شریکه فیجوز وجوازه بکل حال "[3]

ترجمہ:

شرکت کی وجہ سے اجارہ فاسد ہو جاتا ہے البتہ اگر مشترکہ چیز کا ایک شریک اپنا کل حصہ یا بعض حصہ دوسرے شریک کو اجارہ پر دے تو یہ جائز ہے، اور اس کی ہر صورت جائز ہے۔

چونکہ زیر بحث صورت میں مشترک مکان کا ایک شریک دوسرے شریک کو اپنا حصہ کرایہ پر دیتا ہے اس لئے باجماع فقہاء یہ صورت جائز ہے۔ جہاں تک تیسرے معاملے کا تعلق ہے کہ یعنی کمپنی کا اپنے مشترک حصے کو گاہک کے ہاتھ ایک ایک حصہ کر کے فروخت کرنا، تو یہ معاملہ بھی شرعاً جائز ہے اس لئے اگر اس مکان کی زمین اور عمارت دونوں مبیع میں داخل ہیں تب تو بیع کے جواز میں کوئی اختلاف نہیں ہے البتہ اگر

1ابن قدامہ، عبداللہ بن أحمد، **المغنی** (بیروت: دار الفکر، الطبعة الأولی، 1405)6/137

2احمد بن حفص المعروف بہ ابو حفص کبیر بخاری: مجتہد عصر امام دہر فاضل بے عدیل فقیہ بے تمثیل تھے۔ فقہ و حدیث امام محمد سے حاصل کی۔ آپ کے اصحاب اس قدر تھے کہ شمار میں نہ آسکتے تھے چنانچہ سمعانی شافعی نے لکھا ہے کہ بخارا کے پاس ایک گاؤں آباد ہے جہاں فقہا کی ایک جماعت آپ کے اصحاب میں سے رہتی تھی۔ کہتے ہیں کہ آپ اور خلف بن ایوب اور ابو سلیمان تینوں امام محمد سے تحصیل علم کیا کرتے تھے۔

3حصکفیؒ، **در المختار**، 6/47/48

اس مکان کی صرف عمارت مبیع میں داخل ہے۔

زمین داخل نہیں، تب اس عمارت کو شریک کے ہاتھ فروخت کرنا بالا جماع جائز ہے لیکن کسی اجنبی کے ہاتھ فروخت کرنے کے جواز میں اختلاف ہے چنانچہ علامہ ابن عابدینؒ رد المحتار میں فرماتے ہیں:۔

"ولو باع احد الشريكين في البناء حصته الأجنبي، لا يجوزولشريكه جاز[1]

ترجمہ:

اگر کسی عمارت کے دو شریکوں میں سے ایک شریک اپنا حصہ کسی اجنبی کے ہاتھ فروخت کر دے تو یہ جائز نہیں، البتہ شریک کے ہاتھ فروخت کرنا جائز ہے۔

اور چونکہ زیر بحث مسئلے میں یہ عمارت شریک کے ہاتھ فروخت کی جاتی ہے، اس لئے اس کے جواز میں کوئی اختلاف نہیں۔ بہر حال، مندرجہ بالا تفصیل سے یہ ظاہر ہو گیا کہ یہ تینوں معاملات یعنی شرکت ملک اجارہ اور بیع ان میں سے ہر ایک فی نفسہ جائز ہے اگر ان معاملات کو مستقل طور پر علیحدہ علیحدہ کیا جائے اور ایک معاملے کے اندر دوسرے معاملے کو مشروط نہ کیا جائے تو ان کے جواز میں کوئی حرج نہیں۔ البتہ اگر یہ معاملات فریقین کے درمیان کسی سابقہ معاہدہ اور معاہدہ کے مطابق انجام پائے تو اس میں "صفقه في صفقة" کے اصول کی بنیاد پر یا ایک معاملے کے اندر دوسرے معاملے کے مشروط ہونے کی وجہ سے بظاہر ایسا لگتا ہے کہ "صفقة في صفقه" ہونے کی وجہ سے یہ تینوں معاملات بھی ناجائز ہو جائینگے ۔"صفقة في صفقه" فقہاء کے ہاں ناجائز ہے حتیٰ کہ ان فقہاء کے نزدیک بھی یہ ناجائز ہے کہ جو بیع کے اندر بعض مشروط کے جواز کے قائل ہیں۔ جیسے: فقہاء حنابلہ۔

چنانچہ علامہ ابن قدامہؒ[2] تحریر فرماتے ہیں:

"(الثاني) فاسد وهو ثلاثة أنواع (أحدها) أن يشرط على صاحبه عقد آخر كسلف أو قرض أو بيع أو اجارة أو صرف للثمن أوغير فهذا يبطل البيع، ويحتمل أن يبطل الشرط وحده) المشهور في المذهب ان هذا الشرط فاسد يبطل به البيع لان النبي صلى الله عليه وسلم قال " لا يحل بيع وسلف ولا شرطان في بيع " قال الترمذي هذا حديث صحيح ولان النبي صلى الله عليه سلم نهى عن بيعتين في بيعة، حديث صحيح

---

[1] ابن عابدین، **ردالمحتار**، کتاب الشرکۃ، 4/226

[2] ابن قدامہ مقدسی حنبلی (عربی زبان: مؤفق الدین ابو محمد عبد اللہ بن احمد بن احمد بن محمد ابن قُدَامة المقدسی الحنبلی العدوي القرشي المقدسی الصالِحِیُ) (پیدائش: 1147ء۔وفات: 28 اکتوبر 1223ء) شیخ الاسلام، محدث، فقہ حنبلی کے عالم اور امام، فقیہ، قاضی اور مفکر تھے۔ فقہ حنبلی کے جدید فقہی مسائل پر بیشتر کتب تصنیف کیں اور امام ابن قدامہ حنابلہ کے عظیم ترین فقہا میں سے ایک ہیں۔

وهذا منه، قال احمد وكذلك كل ما في معنى ذلك مثل ان يقول على ان تزوجني ابنتك أو على أن أزوجك ابنتي فهذا كله لا يصح، قال ابن مسعود صفقتان في صفقة ربا وهذا قول أبي حنيفة والشافعي وجمهور العلماء وجوزه مالك وجعل العوض المذكور في الشرط فاسدا"[1]

ترجمہ:

شرط کی دوسری قسم فاسد ہے، اس کی تین صورتیں ہیں ایک صورت یہ ہے کہ فریقین میں سے ایک دوسرے فریقین پر اس معاملے کے ساتھ دوسرے معالے کو مشروط کر دے، مثلاً سلم، یا بیع، یا اجارہ کو دوسری بیع کے ساتھ مشروط کر دے، یا حاصل ہونے والے عین کے ساتھ بیع صرف وغیرہ کو مشروط کر دے تو یہ شرط اس بیع کو باطل کر دے گی اور احتمال اس بات کا بھی ہے کہ صرف شرط باطل ہو جائے اور بیع درست ہو جائے۔

لیکن مشہور مذہب یہی ہے کہ یہ شرط فاسد ہے، جو بیع کو باطل کر دے گی، اس لئے کہ حدیث شریف میں حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ بیع اور قرض کو جمع کرنا حلال نہیں، اور نہ ہی بیع میں شرط لگانا حلال ہے۔ امام ترمذی رحمہ اللہ علیہ نے اس حدیث کے بارے میں فرمایا کہ یہ حدیث صحیح ہے اس لئے کہ ایک دوسری حدیث میں حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ ارشاد منقول ہے کہ (نہی عن بیعتین فی بیعتین)[2] حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک بیع کے اندر دوسری بیع کرنے سے منع فرمایا ہے یہ حدیث بلاشبہ صحیح ہے اور اوپر بیان کردہ حدیث بھی اس معنی میں ہے امام احمد رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ یہ وہ شرط جو اس معنی میں ہو وہ بھی اسی بیع کو باطل کر دے گی مثلاً فریقین میں سے ایک یہ کہے کہ اس شرط پر یہ معاملہ کرتا ہوں کہ تو اپنی بیٹی کی شادی میرے ساتھ کر دے، یا اس شرط پر کہ میں اپنی بیٹی کی شادی تمہارے ساتھ کروں گا اور یہ تمام کا تمام کی ٹھیک نہیں، حضرت عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ ایک معاملے کے اندر دوسرا معاملہ داخل کرنا سود ہے امام ابو حنیفہ، امام شافعی اور جمہور علماء کا بھی یہی قول ہے، البتہ امام مالک رحمۃ اللہ علیہ نے اس کو جائز قرار دیا ہے اور شرط کے اندر جس عوض اور بدل کا ذکر ہے اس کو فاسد قرار دیا ہے۔ لیکن "صفقة في صفقة" کی خرابی اس وقت لازم آئے گی

---

[1] ابن قدامۃ، عبد الرحمن بن محمد، الشرح الكبير (بیروت: دار الکتاب العربی، الطبعۃ الثالثۃ، 1993)، 4/53

[2] ترمذی، **سنن ترمذی**، کتاب البیوع، باب ماجاء فی النھی عن بیعتین فی بیعۃ۔ 3/533

جب ایک عقد کے اندر دوسرا عقد مشروط ہو

، جب کہ زیر بحث مسئلے میں فریقین آپس میں یہ وعدہ کرتے ہیں کہ یہ دونوں فلاں تاریخ کو عقد اجارہ کریں گے اور فلاں تاریخ کو عقد بیع کریں گے اور پھر یہ دونوں معاملات اپنے اپنے وقت پر کسی شرط کے بغیر منعقد ہو جائیں تو اس صورت میں "صفقة في صفقة کی خرابی بہر حال لازم نہیں آئے گی، اس لئے کہ فقہاء کرام نے کئی مسائل میں اور خاص طور پر "بیع بالوفاء" کے مسئلے میں اس کی صراحت کی ہے چنانچہ فتاوٰی خانیہ میں مذکور ہے:

"وان ذكر البيع من غير شرط ثم ذكر الشرط على وجه المواعدة ، جاز اليع ، و يلزم الوفاء بالوعد، لأن المواعدة قد تكون لازمة، فتعمل :لازمة لحاجة الناس-"[1]

"اگر بغیر کسی شرط کے کی جائے، اور پھر شرط کو بطور وعدہ کے ذکر کیا جائے، تو جائز ہو جائے گی، اور اسی وعدہ کو پورا کرنا لازم ہو گا اس لئے کہ آپس کے وعدے بعض اوقات لازم بھی ہوتے ہیں پس اس وعدے کو بھی لوگوں کی ضرورت کے لئے لازم قرار دیا جائے گا۔"

علماء مالکیہ نے بھی "بیع بالوفاء" کا مسئلہ؛ جس کو وہ بیع الثنایا کے نام سے تعبیر کرتے ہیں، میں اس بات کی تصریح کی ہے کہ "بیع بالوفاء ان کے نزدیک جائز نہیں ہے چنانچہ علامہ حطاب رحمہ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ:

"لايجوز بيع الثنايا ، وهو : ان يقول أبيعك هذا الملك أو هذه السلعة على ان اتيک بالثمن الى مدة كذا أو متىٰ اتيک به فالبيع مصروف عنى۔"[2]

ترجمہ:" بیع الثنایا جائز نہیں ہے بیع الثنایا یہ ہے کہ بائع یہ کہے کہ اپنی یہ ملک یا یہ سامان اس شرط پر بیچتا ہوں کہ اگر اتنی مدت کے اندر اندر میں تیرے پاس اس کی قیمت لے آؤں، یا جب بھی میں تیرے پاس اس کی قیمت لے آؤں تو اس وقت یہ بیع مجھ پر واپس لوٹ جائے گی۔"

البتہ اگر بیع شرط کے بغیر ہو جائے، اس کے بعد مشتری بائع سے یہ وعدہ کرلے کہ جب وہ قیمت لائے گا اس وقت وہ اس کو واپس فروخت کر دے گا اس صورت میں یہ وعدہ درست ہو جائے گا اور مشتری کو یہ وعدہ پورا کرنا لازم ہو گا علامہ حطاب رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

" قال في معين الحكام :و يجوزللمشتري أن يتطوع للبائع بعد العقد بأنه إن جاء الثمن الى اجل كذا ويلزم المشتري متى جاء بالثمن في خلال الاجل او عند انقضاء او

---

1. [2] محمد الحطاب الرعينی ابو عبد اللہ **تحریر الکلام فی مسائل الالتزام** (دار الغرب الاسلامی، سن اشاعت:1404-1984)1/233

بعده على القرب منه ولا يكون للمشترى تفويت فى خلال الاجل فان فعل ببيع او هبة او شبه ذٰلک ان اراده البائع و رد اليه"[1]

"معین الحکام میں فرمایا: کہ مشتری کے لئے یہ جائز ہے کہ وہ عقد ہونے کے بعد بائع کو بطور احسان یہ کہے کہ کہ اگر وہ اتنی مدت تک ثمن لے آئے گا تو یہ مبیع اس کی ہو جائے گی لہٰذا اگر یہ مدت کے اندر اندر یا مدت پوری ہونے پر یا مدت پوری ہونے کے فورا بعد بائع ثمن لے آئے تو مشتری کو اپنا وعدہ پورا کرنا لازم ہو گا اور مشتری کے لئے جائز نہیں کہ مدت کے اندر اس مبیع کو بیع یا ھبہ وغیرہ کے ذریعے آگے چلتا کر دے اگر مشتری ایسا کرے گا تو اس کا یہ معاملہ ٹوٹ جائے گا بشرطیکہ بائع کا اس کو واپس لینے کا ارادہ ہو اور قیمت واپس کر دے۔"

یہ اس وقت ہے جب بیع کسی شرط کے بغیر وجود میں آجائے اور آپس کا وعدہ بیع مکمل ہونے کے بعد کیا جائے بعض فقہاء نے اس کی بھی صراحت کر دی ہے کہ اگر بیع منعقد ہونے سے پہلے بائع اور مشتری آپس میں کوئی وعدہ کر لیں اس کے بعد بیع کی شرط کے بغیر منعقد کر لیں تو یہ بھی جائز ہے چنانچہ قاضی ابن سماوۃ حنفی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

"شُرِطَا شرطافاسدا قبل العقد، ثم عقدا.. لم يبطل العقد ويبطل لو تقارنا"[2]

ترجمہ:

عاقدین نے عقد بیع سے پہلے آپس میں کوئی شرط فاسد کر لی، اس کے بعد آپس میں عقد بیع کی (اس عقد کے اندر کوئی شرط نہیں لگائی) تو اس صورت میں وہ شرط اس عقد کو باطل نہیں کرے گی البتہ اگر وہ شرط عقد بیع کے اندر ہوتی تو اس صورت میں یہ شرط اس عقد کو باطل کر دیتی۔

"بیع بالوفاء" کے مسئلے میں قاضی ابن سماوۃ" فرماتے ہیں:

"وكذا لوتواضعا الوفاء قبل البيع، ثم عقدا بلاشرط الوفاء بالعقد جائز، ولا عبرة بالمواضعة السابقة"[3]

ترجمہ:

"اگر عاقدین عقد بیع سے پہلے کوئی وعدہ کر لیں پھر وفا کی شرط کے بغیر عقد بیع کر لیں تو عقد جائز ہے، اور

---

1 محمد الحطاب الرعینی ابو عبد اللہ **تحریر الکلام فی مسائل الالتزام** 1/239

2 سماویہ، ابن قاضی، محمود بن اسرائیل، **جامع الفصولین** (بیروت: دار الفکر، الطبعۃ الثانیۃ، 1310)، **2/335**

3 ایضا 4/227

سابقہ وعدہ کا کوئی اعتبار نہیں، البتہ علامہ ابن عابدین رحمۃ اللہ علیہ نے ردالمحتار میں جامع الفصولین کی اس عبارت کو نقل کرنے کے بعد اس پر اعتراض کیا ہے، وہ فرماتے ہیں۔"

"لوشرطا شرطا فاسدا قبل العقد عقدا، لم يبطل العقد، قلت وينبغي الفساد لو اتفقا على بناء العقد عليه، كما صرحوا في بيع الهزل، كماسياتى اخر البيوع"[1]

ترجمہ: جامع الفصولین میں یہ ہے کہ اگر عاقدین نے عقد بیع کرنے سے پہلے آپس میں کوئی شرط فاسد ٹھہرا لی، پھر عقد کیا تو اس صورت میں یہ عقد باطل نہ ہو گا۔ میں کہتا ہوں اگر عاقدین نے اس عقد کو سابقہ شرط کی بنیاد پر کیا ہے تو اس صورت یہ عقد فاسد ہونا چاہئے جیسا کہ کتاب البیوع کے آخر میں "بیع الھزل" میں اس کی صراحت یوں کی ہے۔ لیکن علامہ محمد خالد الا تاسی[2] رحمۃ اللہ علیہ علامہ ابن عابدین رحمۃ اللہ کے اس اعتراض کے جواب میں لکھتے ہیں:

"اقول هذا بحث مصادم للمنقول (اى ماهو منقول في جامع الفصولين) كما علمت و قياسه على بيع الهزل قياس مع الفارق----------"[3]

ترجمہ:

علامہ خالد التاسی فرماتے ہیں کہ: علامہ ابن عابدین رحمہ اللہ علیہ کی یہ بحث جامع الفصولین کی عبارت سے متصادم ہے جیسا کہ آپ کو معلوم ہے اور علامہ ابن عابدین رحمۃ اللہ علیہ کا اس مسئلہ کو "بیع الھزل" پر قیاس کرنا یہ قیاس مع الفارق ہے اس لئے کہ صاحب منار کے مطابق "ہزل کا مطلب یہ ہے کہ لفظ بول کر ایسی چیز مراد لی جائے جس کے لئے وہ لفظ وضع نہیں ہوا ہو، اور نہ ہی بطور استعارہ کے اس لفظ کا اس معنی پر اطلاق ہوتا ہو اور اس کی نظیر "بيع التلجئه" ہے، در مختار میں "بيع التلجئه "کی تعریف یہ کی ہے کہ عاقدین آپس میں کسی عقد کا اظہار کریں جب کہ دونوں کا عقد کرنے کا ارادہ نہ ہو اور حقیقت میں بھی نہیں ہے اگر یہ دونوں عاقدین اس عقد کی بنیاد پر کوئی دوسرا عقد کرلیں تو ایسا کرنا عاقدین کی طرف سے اس بات کا اعتراف ہو گا کہ انہوں نے دراصل بیع کرنے کا ارادہ ہی نہیں کیا تھا اب ظاہر ہے کہ اس مسئلے کا ہمارے مسئلے سے کیا تعلق ہے، بہر حال جامع الفصولین میں ذکر کردہ مسئلے کی اتباع کرنا زیادہ مناسب ہے۔

---

[1] ابن عابدین، ردالمحتار، 4/135

[2] خالد الاتاسی (1253ھ / 1326ھ / 1837ء–1908ء) حمص کے الاتاسی خاندان سے تعلق رکھنے والے حنفی شامی فقیہ ہیں۔ وہ حمص کے مفتی کے عہدے پر فائز تھے، اور حمص اور حماۃ کے نمائندے تھے۔ وہ شام کے صدر ہاشم العطاسی ے 67 کے والد ہیں۔

[3] الاتاسی، شرح المجلۃ، 2/61

چنانچہ متاخرین حنفیہ کی ایک جماعت نے یہ فتویٰ دیا ہے کہ اگر کوئی وعدہ عقد بیع سے بالکل جدا ہو، چاہے وہ عقد بیع سے پہلے کیا جائے، یا بعد میں کیا جائے دونوں صورتوں مین وہ وعدہ اصل عقد بیع کے ساتھ ملحق نہیں ہو گا، اور اس وعدہ کی وجہ سے یہ لازم نہیں آئے گا کہ یہ بیع شرط کے ساتھ ہوئی ہے، اور نہ یہ لازم آئیگا کہ یہ "صفقة في صفقة "ہے اب اس معاملے کے جائز ہونے میں کوئی مانع باقی نہ رہا البتہ ایک اشکال یہ رہ جاتا ہے کہ جس صورت میں بیع سے پہلے آپس میں کوئی وعدہ کر لیا گیا ہو، اس صورت میں اگرچہ ایجاب و قبول کے وقت اس وعدہ کا زبان سے اظہار نہیں کیا جاتا لیکن ظاہر بات ہے کہ وہ وعدہ فریقین کے نزدیک عقد کے وقت ضرور ملحوظ ہو گا اور اسی سابقہ وعدہ کی بنیاد پر عاقدین یہ موجودہ عقد کریں گے، لہٰذا پھر تو زیر بحث معاملہ جس میں عقد بیع سے پہلے آپس میں کوئی وعدہ ہو گیا ہو اور اس معاملے میں کوئی فرق نہیں رہے گا جس میں صراحتا دوسرا عقد مشروط ہو اور حکم معاملے کی حقیقت پر ہونا چاہئے اس کی ظاہری صورت پر نہیں ہونا چاہئے، لہٰذا سابقہ کیا ہوا وعدہ بھی شرط کے درجے میں ہو کر اس بیع کو ناجائز کر دے گا۔ اس اشکال کا جواب یہ ہے کہ ان دونوں مسئلوں میں صرف ظاہری اور لفظی فرق نہیں ہے، بلکہ حقیقی طور پر ان دونوں میں باریک فرق ہے وہ یہ کہ اگر ایک عقد دوسرے عقد کے ساتھ مشروط ہو جس کو اصطلاح میں "صفقة في صفقة" کہتے ہیں اس میں پہلا عقد مستقل اور قطعی نہیں ہوتا۔ بلکہ یہ پہلا عقد دوسرے عقد پر اس طرح موقوف ہوتا ہے کہ اس کے بغیر مکمل ہی نہیں ہو سکتا جس طرح ایک معلق عقد ہوتا ہے۔

لہٰذا جب بائع نے مشتری سے کہا کہ میں یہ مکان تمہیں اس شرط پر بیچتا ہوں کہ تم اپنا فلان مکان مجھے اتنے کرایہ پر دو گے، اس کا مطلب یہ ہے کہ یہ بیع آئندہ ہونے والے اجارہ پر موقوف رہے گی اور جب عقد کی آئندہ کے معاملے پر موقوف ہو تو اس صورت میں اس عقد کو مستقل عقد نہیں کہا جائیگا۔ بلکہ عقد معلق کہا جائیگا۔ اور عقود معارضہ میں تعلیق جائز نہیں۔ اور اگر اس بیع کو نافذ کر دیں، اس کے بعد مشتری عقد اجارہ کرنے سے انکار کر دے، تو اس صورت میں عقد بیع خود بخود کالعدم ہو جائیگا اس لئے کہ عقد بیع تو عقد اجارہ کے ساتھ مشروط تھا۔ اور قاعدہ یہ ہے کہ جب شرط فوت ہو جائے تو مشروط خود بخود فوت ہو جائے گا۔

لہٰذا جب ایک عقد دوسرے عقد کے ساتھ مشروط ہو، تو اس کا مطلب یہ ہے کہ عقد اول عقد ثانی کے ساتھ معلق ہو جائے گا، گویا بائع نے مشتری سے یہ کہا کہ اگر تم اپنا فلاں مکان مجھے اتنے کرایہ پر دو گے تو

میں اپنا یہ مکان تمہیں اتنے پر فروخت کر دونگا ظاہر یہ کہ یہ عقد کسی امام کے نزدیک بھی جائز نہیں۔ اس لئے کہ بیع تعلیق کو قبول نہیں کرتی ہے۔[1]

بر خلاف اس کے کہ بائع اور مشتری ابتداء ہی سے عقد اجارہ کو بطور ایک وعدہ کے طے کر لیں۔ پھر مطلق غیر مشروط طور پر عقد بیع کریں تو اس صورت میں یہ عقد بیع مستقل اور غیر مشروط ہو گی اور عقد اجارہ پر موقوف نہیں ہو گی۔ اگر عقد بیع مکمل ہو جانے کے بعد مشتری عقد اجارہ کرنے سے انکار کر دے تو اس صورت میں عقد بیع پر کوئی اثر نہیں پڑے گا، عقد بیع اپنی جگہ پر مکمل اور درست ہو جائیگی۔ زیادہ سے زیادہ یہ کہا جائے گا کہ چونکہ وعدہ پورا کرنا بھی لازم ہوتا ہے، اس لئے مشتری کو اس بات پر مجبور کیا جائے گا کہ وہ اپنے وعدے کو پورا کرے، اس لئے کہ اس نے اس وعدے کے ذریعے بائع کو اس بیع پر آمادہ کیا ہے چنانچہ مالکیہ کے نزدیک قضاء اس وعدے کو پورا کرنا مشتری کے ذمے ضروری ہے البتہ اس وعدے کا اس بیع پر کوئی اثر نہیں پڑے گا جو بیع غیر مشروط طور پر ہوئی ہے پس اگر مشتری اپنا وعدہ پورا نہ بھی کرے تب بھی بیع اپنی جگہ پر تام سمجھی جائے گی۔ پس یہ بات واضح ہوگئی کہ اگر بیع کے اندر کوئی دوسرا عقد مشروط ہو تو اس صورت میں وہ عقد مکمل ہونے اور فسخ ہونے کے درمیان متردد رہتا ہے، اور اس تردد کی وجہ سے اس عقد کے اندر فساد آجائے گا۔ بخلاف اس کے کہ بیع تو مطلق اور غیر مشروط ہو، البتہ اس سے بیع سے پہلے عاقدین آپس میں کوئی وعدہ کر لیں تو اس صورت میں اس بیع کے مکمل ہونے میں کوئی تردد باقی نہیں رہے گا۔ وہ ہر حال میں مکمل ہو جائیگی زیادہ سے زیادہ یہ ہو گا کہ جن حضرات فقہاء کے نزدیک وعدے کو پورا کرنا لازم ہوتا ہے، ان کے نزدیک اس سابقہ وعدے کو پورا کرنا مشتری کے زمے لازم ہو گا۔ بہر حال: شرکت متناقصہ" کا جائز اور بے غبار طریقہ یہ ہے کہ تینوں معاملات اپنے اپنے اوقات میں دوسرے معاملے سے بالکل علیحدہ علیحدہ کئے جائیں اور ایک عقد دوسرے عقد کے ساتھ مشروط نہ ہو، ہاں یہ ہو سکتا ہے کہ عاقدین کے درمیان وعدہ اور معاہدہ ہو جائے جس کے تحت آئندہ کے معاملات طے پائیں۔

چنانچہ عاقدین (گاہک اور کمپنی اس بات پر اتفاق کر لیں کہ فلاں مکان دونوں مل کر مشترکہ طور پر خریدیں گے، اور پھر کمپنی اپنا حصہ گاہک کو کرایہ پر دیدگی پھر گاہک کمپنی کے حصے کو مختلف قسطوں میں خریدنے کہا حتیٰ کہ ایک اس پورے مکان کا مالک ہو جائیگا۔ لیکن یہ ضروری ہے کہ ایک اور کمپنی کے درمیان یہ معاہدہ

---

1 عثمانی، محمد تقی، فقہی مقالات (میمن اسلامک پبلیشرز 2011ء) 2/245

صرف وعدہ کی شکل میں ہو اور ہر عقد اپنے اپنے وقت پر مستقل ایجاب وقبول کے ساتھ کیا جائے۔ اس صورت میں یہ عقد غیر مشروط ہوالذا کرایہ داری میں کا محاطہ بیع معاملہ مشروط نہ ہو گا اور نہ بیع کے اندر کرایہ داری کا معاملہ مشروط ہو گا۔[1]

خلاصہ

بینکوں میں رائج جدید بیوعات و معاہدات میں بیع استصناع کو بنیادی حیثیت حاصل ہے اور تعامل الناس بھی ہے۔ استصناع موازی کے ذریعے تیسری پارٹی سے بینک کا کام لینا شرعا درست ہے۔ ہاؤس فائنانسنگ میں اگر بیع استصناع کے اصول کو مد نظر رکھا جائے تو معاہدات درست ہونگے۔ فریقین کی رضامندی سے بیع استصناع کے ثمن کا تعین ہوتا ہے اور ان کی رضامندی سے ثمن میں کمی بیشی بھی کی جاسکتی ہے۔ بیع استصناع میں ایسی ہنگامی صورت حال پیدا ہو جائے جو ثمن میں کمی یا زیادتی چاہتی ہو تو فریقین کسی ثالث سے اس کے ثمن پر ثالثی کرواکر قیمت متعین کرواسکتے ہیں۔

بیعانہ ضبط کرنا: یہ مسئلہ مجتہد فیہ ہے لیکن اکثر فقہا عربون کو منع کرتے ہیں۔ اس کے حرام ہونے کا قول زیادہ محتاط ہے، لیکن فقہا کا اختلاف ضرورت کے وقت ایسے لین دین میں تخفیف پیدا کرتا ہے خصوصا جب یہ قانون کوئی حکمران بنائے کیونکہ حاکم کا حکم اختلاف کو ختم کر دیتا ہے۔

جب بیع مطلق کا معاملہ ہو اور بائع یہ شرط لگادے کہ وہ مبیع میں پائے جانے والے کسی بھی عیب کا ذمہ دار نہیں ہو گا، اور مشتری اس پر راضی ہو جاتا ہے، تو فقہاء احناف ؒ کے نزدیک یہ عقد درست ہو گا، خواہ بائع اس عیب کے بارے میں پہلے سے واقف ہو یا وقف نہ ہو اسی طرح وہ اس عیب کا نام ذکر کرے یا نہ کرے، جب کہ امام شافعیؒ کے نزدیک بائع اگر یہ شرط لگادئے تو وہ عیب سے بری نہ ہو گا، البتہ اگر کسی خاص عیب کی ذمہ داری سے براءت کی شرط لگادے تو درست ہے یہ مسئلہ تو مطلق بیع میں عیب سے براءت کی شرط لگانے کے بارے میں تھا۔

عقد استصناع میں جب صانع نے مطلوبہ چیز کو نمونہ کے مطابق نہیں بنایا تو مستصنع کو واپس کرنا درست ہے، ہاں نمونہ کے مطابق ہو تو پھر واپس نہیں کر سکتا ہے۔

پہلے زمانہ میں چونکہ کپڑوں میں استصناع کا تعامل اور رواج نہیں تھا، اس وجہ سے عام کتب فقہ میں فقہاء نے

---

[1] عثمانی، فقہی مقالات، 246/2

اللہ نے کپڑوں میں استصناع کوناجائز لکھاہیں جب کہ موجودہ دور میں کپڑوں کو آرڈر دیکر تیار کرانے کا عرف عام ہے،اس وجہ سے اس کی گنجائش معلوم ہوتی ہے۔

بعض اوقات تاجر کسی کومال کا آرڈر دے دیتاہے مگر بعد میں مارکیٹ میں اس مال کابھاؤ گر جاتاہے، جس کی وجہ سے آرڈر دینے والا اپنانقصان محسوس کرتاہے ،اور بیچنے والے سے آرڈر منسوخ کرنے کی درخواست کرتاہے،مال تیار کرنے والا آرڈر منسوخ کرنے پر آرڈر دینے والے سے تاوان اور ہرجانہ لیتاہے، شرعاًاس صورت میں ہرجانہ لیناجائزنہیں ہے ،البتہ مال تیار کرنے والے کاجوحقیقی نقصان ہواہے ،وہ وصول کرنادرست ہے۔

استصناع میں چونکہ ثمن پیشگی بھی دی جاسکتی ہے،بعد میں بھی اور قسط وار بھی،لہٰذا جب مستصنع نے صانع کو پیشگی رقم دی تو صانع اس رقم کامالک بن جائے گا،اور اس رقم کی زکوٰۃ کاریگر پرلازم ہوگی،وجہ اس کی یہ ہے عقد استصناع میں جورقم پیشگی جمع کروائی ہے یہ پوری رقم بحکم ثمن ہوگی،لہٰذاصانع پراس رقم کی زکاۃ لازم ہوگی، مستصنع پرنہیں ہوگی،تاہم احتیاطاًاداکرنابہتر ہے۔

.بیع مؤجل:سرمایہ کار کمپنی مکان خرید کراس کی مالک بن جائے پھر گاہک کو نفع کے ساتھ اُدھار فروخت کردے اور پھر کمپنی گاہگ سے عقد میں طے شدہ قسطوں کے مطابق قیمت وصول کرے اور اس میں نفع کا تناسب بیان کئے بغیر بھی اُدھار فروختگی کا معاملہ کیاجاسکتاہے۔اس صورت میں نفع کے تناسب کے تعین کااختیار سرمایہ کار کمپنی کوہوگااور یہ بھی ممکن ہے کہ اس اُدھار بیع کامعاملہ مرابحہ کے طریقے پرکیاجائے اور عقد کے اندر اس کی صراحت کردی جائے کہ کمپنی اس مکان پر آنے والے اصل اخراجات سے اس قدر زائد نفع گاہگ سے وصول کریگی۔

اگر کسی عمارت کے دوشریکوں میں سے ایک شریک اپناحصہ کسی اجنبی کے ہاتھ فروخت کردے تو یہ جائز نہیں،البتہ شریک کے ہاتھ فروخت کرناجائز ہے۔

باب چہارم

عصر حاضر میں بیع استصناع اور سرکاری شعبہ جات کے منصوبے

فصل اول	جدید BOT معاہدات کی صورتیں اور فقہاء کرام کی آراء

فصل دوم	بیع استصناع میں انتظامِ خطرہ کی حقیقت اور فقہاء کی آرا

فصل اول

جدید BOT معاہدات کی صورتیں اور فقہاء کرام کی آراء

ایک اہم عقد جو آج کل بہت ہی متعارف ہے ،اس سے حکومتیں بڑا فائدہ اٹھاتی ہیں ،اور واقعتاً یہ عقد مفید ہے ،وہ یہ ہے(Build,operate , and ,transfer)یعنی بناؤ، چلاؤ،اور منتقل کرو،اس کا حاصل یہ ہے کہ مثلاً حکومت ایک ہائی وے تعمیر کروانا چاہتی ہے۔ جس کی حکومت کو ضرورت ہوتی ہے، آج کل ہائی وے ایک خاص طریقہ پر تیار کی جاتی ہے،وہ کئی چیزوں پر مشتمل ہوتی ہیں،اس میں لوگوں کے لئے کئی ریسٹورنٹ اور کارپارکنگ ،وغیرہ بنائے جاتے ہیں،اس میں حکومتیں یہ طریقہ اختیار کرتی ہیں کہ کسی کمپنی کو ٹھیکہ دے دیتی ہیں کہ ہم زمین تمہارے حوالے کر دیتے ہیں، تم اپنے پیسوں سے اس زمین پر ہائی وے تعمیر کرواؤ،اس تعمیر کرنے کے بدلے میں بیس سال تک اس کو چلانے اور ٹول ٹیکس(toll tax)استعمال کرنے کا حق تمہارا ہے، بیس سال بعد یہ ہائی وے ہمارے حوالے کرنا اس بنیاد پر دنیا میں بہت سارے عقود ہو رہے ہیں۔ اس طریقے نے بڑے منصوبوں کی تکمیل میں بہت آسانی پیدا کی ہے اور بہت سی ریاستیں اس سے استفادہ کرتی ہیں کیونکہ اس میں دونوں فریقوں کا فائدہ ہے۔

بی،او،ٹی،(B.O.T)معاہدے کا شرعی حکم

(B.O.T)معاہدہ کا شرعی حکم ذکر کرنے سے پہلے چند فقہی اشکلات اور ان کے جوابات ملاحظہ فرمائیں۔

یہ بات ذہن میں رہے کہ استصناع کا معاملہ بیع اور اجارہ سے مختلف ہے ،اس لئے کہ بیع میں عین مبیع اور اجارہ میں منفعت معینہ عقد کے وقت موجود ہوتے ہیں ،اور استصناع میں عقد کے وقت مبیع معدوم ہوتی ہے۔

بی،او،ٹی،(B.O.T)معاہدہ پر اشکالات

پہلا اشکال یہ ہے کہ (B.O.T) میں (کاریگر) کی اجرت منفعت ہوتی ہے تو کیا اس طرح کرنا جائز ہے؟

دوسرا یہ کہ صانع کو جو اجرت ملتی ہے وہ اس کی بنائی ہوئی چیز سے منفعت کی صورت میں ملتی ہے تو کیا یہ قفیز الطحان کی شکل نہیں؟

تیسرا یہ کہ کیا یہ عقد غرر کو شامل نہیں ؟کیونکہ اس میں صانع کی منفعت ایک مقررہ مدت تک ٹول ٹیکس (toll tax)حاصل کرنا ہے اور وہ عقد کے وقت معلوم نہیں ہے۔

جہاں تک صانع کاریگر کی اجرت جو کہ منفعت کی صورت میں حاصل ہوتی ہے کا تعلق ہے تو فقہاء کرام نے اس کو جائز قرار دیا ہے وجہ اس کی یہ ہے کہ مطلق استصناع میں مبیع کے معدوم ہونے کے باوجود بھی اس کو جائز قرار دیا ہے تعامل الناس اور حاجت کی وجہ سے تو اس میں بھی کوئی حرج نہیں کہ اس کا بدل معدوم ہو مثال کے طور پر زید نے عمرو سے الماری بنانے کا مطالبہ کیا اس طور پر کہ عمرو اس کے بدلے زید کو تپائی بنا کر دے گا اور ظاہر ہے کہ یہ عقد جائز ہے، حالانکہ عقد کے وقت دونوں چیزیں (الماری، اور تپائی) معدوم ہیں، تو (بی، او، ٹی) میں جو صانع کی اجرت ہے یعنی منفعت جو عنقریب صانع کے اپنے فعل سے پیدا ہوگی اس کو عقد استصناع کے لئے بدل بنایا گیا ہے اس کا معدوم ہونا بطریق اولی جواز عقد میں نقصان دہ نہ ہوگا، کیونکہ منفعت کا وجود جو کہ صانع کی اجرت ہے، صانع کے منصوبہ تیار کرنے پر موقوف ہے، اور عقد استصناع میں معقود علیہ منصوبہ کو پایا تکمیل تک پہنچانا ہے، اور صانع ثمن کا مستحق اسی وقت ہوتا ہے جب وہ منصوبہ کو پایا تکمیل تک پہنچاتا ہے جب منصوبہ مکمل ہوگا تو منفعت جو کہ ثمن ہے پائی جائی گی، گویا ثمن کا وجود مبیع کے وجود کے لئے لازم ہو گیا، لہذا عقد کے وقت منفعت کے معدوم ہونے کے اعتبار سے اشکال باقی نہیں رہے گا، لیکن ایک اور اشکال ہو سکتا ہے کہ صانع کو منفعت جو کہ اس کی اجرت صانع کی بنائی ہوئی چیز سے مل رہی ہے اس صورت میں قفیز طحان کی شکل بن جاتی ہے، اس کا جواب یہ ہے کہ استصناع میں صانع کا عمل اگرچہ ملحوظ ہوتا ہے، لیکن محل عقد نہیں ہوتا محل عقد شئ مصنوع ہوتا ہے، جب کہ قفیز طحان میں عامل کے معمول میں سے اجرت طے کی جاتی ہے جس کی وجہ سے عامل کا اپنے لئے عمل کرنا اور اس کے اجرت مقرر کرنا لازم آتا ہے،، اگر صانع کا عمل محل عقد ہوتا تو یہ جائز نہ ہوتا جب صانع کا عمل محل عقد نہیں تو یہ قفیز طحان میں نہیں آتا۔

چنانچہ بحوث میں مذکور ہے۔

"هل تصلح المنفعة ثمناً؟اماكون المنفعة ثمناًللبيع،فقداجاز الفقهاء"[1]

ترجمہ: کیا منفعت ثمن بن سکتی ہے ؟ جہاں تک منفعت کو بیع کے لیے ثمن بنانے کا تعلق ہے تو فقہاء نے اس

[1] العثمانی، بحوث فی قضایا فقهیة معاصرة، 2/136

کی اجازت دی ہے۔

تیسرا اشکال یہ ہے کہ اس میں غرر کا شبہ ہے اس طور پر کہ ٹھیکیدار کا منصوبہ بنانے اور چلانے سے مقصود یہ ہے کہ وہ ٹول ٹیکس (toll tax) حاصل کرے، اور یہ ٹول ٹیکس عقد کے وقت صرف ٹھیکیدار کے ذہن میں ملحوظ ہوتا ہے کہ وہ عنقریب اس منصوبہ کے محیط امور پر کچھ نفع حاصل کرے گا، لیکن کوئی شخص یہ نہیں جانتا کہ کیا اس کی حصول کا تحقق ہو گا یا نہیں؟

اس شبہ کا جواب یہ ہے کہ یہ متوقع ٹول ٹیکس (toll tax) ثمن استصناع نہیں ہے، بلکہ وہ مستقل منفعت ہے جس کی قیمت معلوم ہے، مثلاً ایک شخص نے رہائشی بلڈنگ، پلازہ، وغیرہ خریدا، تاکہ اس کے فلیٹس کو کرایہ پر دے، حالانکہ اس بلڈنگ اور پلازہ کو خریدتے وقت اسے یہ بات معلوم نہیں تھی کہ اس پر کتنی اجرت حاصل ہوگی، اس سے غرر (نقصان) لازم نہیں آتا، کیونکہ اس نے تو بلڈنگ اور پلازہ کی منفعت خریدی ہے، جو کہ مستقل طور پر معلوم ہے، یہاں پر ان چھوٹے، چھوٹے، فلیٹس کو اجارہ پر دینے کی صورت میں محل اجارہ وہ مالی فوائد نہیں ہیں جن کے حصول کی توقع ہے۔ مفتی محمد تقی عثمانی لکھتے ہیں۔

"ان فیه شبهة الغرر من حیث ان مقصودالجهة الصانعة من تشغیل المشروع ان تحصل علی مواردمالیة من خلال رسوم تفرضهاعلی الذین یستخدمون المشروع ----- خلال اجارة شققة-"[1]

ترجمہ:

یہ بات تقریباً مبہم ہے کہ پراجیکٹ کو چلانے میں کارخانہ دار کا ارادہ فیس کے ذریعے مالی وسائل حاصل کرنا ہے جو وہ پروجیکٹ استعمال کرنے والوں پر عائد کرتا ہے۔ معاہدہ کا وقت، لیکن اس کا اندازہ آپ پر مینوفیکچرر کے اختیار سے لگایا جاتا ہے، یہ فرض کرتے ہوئے کہ آپ کو پروجیکٹ سے منافع ملے گا، اور کوئی آپ کے لیے اس کا احاطہ نہیں کرے گا۔ کیا یہ مشن پورا ہوتا ہے؟ نہیں، اس کا جواب یہ ہے یہ تشبیہ: استسنا کی قیمت وہ مشتبہ مالی وسائل نہیں ہے، بلکہ اس منصوبے کا فائدہ ہے، اور یہ ایک آزاد فائدہ ہے جو اسے معلوم ہے اور اس کی قیمت ہے، یہ کمپلیکس کا فائدہ ہے، اور یہ ایک ہے۔ آزاد فائدہ، اور کرایہ وہ مالی وسائل نہیں ہے جو اپارٹمنٹس کے کرائے کے ذریعے حاصل کیے جانے کی توقع ہے۔

---

[1] العثمانی، بحوث فی قضایا فقهیة معاصرة: 2/144

بی،او،ٹی(B.O.T)کاشرعی حکم

بی ،او،ٹی (B.O.T)معاہدہ شرعاً جائز ہے ،در اصل اس میں صانع کواجرت اس کی بنائی ہوئی چیز سے منفعت کی صورت میں ملتی ہے اور اس کی گنجائش معلوم ہوتی ہے۔المعاییر الشرعیۃ میں لکھا ہے۔

ویجوز ان یکون نقوداً،اوعیناً،اومنفعة لمدة معينةًسواء كانت منفعة عين آخرى ام منفعة المصنوع نفسه وهذالصورة الآخير تصلح للتطبيق فى حال منح الجهات الرسمية عقود امتياز نظير الانتفاع بالشروع لمدة معينة(Build, operate and transfer)-[1]

ترجمہ:

اور جائز ہے کہ وہ اجرت نقدی ہو یا عین ہو یا کسی مدت متعین کیلئے منفعت، برابر ہے کہ وہ منفعت اسی مصنوع سے ہو کسی اور چیز سے ہو اور یہ آخری صورت تطبیق کیلئے بھی ٹھیک ہے۔

مفتی تقی عثمانی صاحب لکھتے ہیں۔

یجوز ان یکون ثمن الاستصناع منفعة ،،وعلی هذالاساس یمکن تخریج العقود التی تسمی "عقود البناء والتشغيل "(Build,operate,and,transfer) وحقيقة هذه العقود ان الحكومة تفوض بناء مشاريع الشوارع العامة ،او الجسور،اوغير هامن مشاريع البنية التحية الى جهة مختصة تلتزم انجاز المشروع فى مدة معلومة وتمنحها الحكومة حق تشغيل هذه الشوارع ،او الجسور الى مدة معينة ،والحصول على مايدرمن دخل بتقاضى الرسوم عن العامة الذين يستخدمونهابالمرورعليها،وبعد انقضاء تلك المدة يسلم المشروع الى ال-حكومة ،وتكييفة الفقهى انه استصناع من قبل الحكومة ،وثمنه منفعة المشروع ،نفسه الى مدة متفق عليها بين الطرفين)[2]

ترجمہ:

"جائز ہے کہ استصناع کا ثمن (قیمت) منفعت ہو اور اس بنیاد پر "بناؤ، چلاؤ اور منتقل کرو"،والے لین دین ہوتے ہیں ان عقود کی حقیقت یہ ہے کہ حکومت سڑکوں کی تعمیر یا پلوں کی یا کچھ اور یا دیگر اہم تعمیرات کو کسی ماہر کے حوالہ کرتی ہے اور وہ شخص ایک خاص مدت کے اندر اس کو مکمل کرتا ہے۔ حکومت اس شخص

---

[1] النجدی، **المعاییر الشرعیۃ** 1/ 300

[2] عثمانی، **فقہ البیوع**،1 /606۔وکذافی **بحوث فی قضایافقھیۃ معاصرۃ**2 /132

یا کمپنی کو ان سڑکوں یا پلوں کو چلانے کا ایک خاص مدت تک حق دیتی ہے اور جو ان پر عوام الناس گزرنے کا ٹیکسٹ ادا کرتی ہے وہ آمدنی ان کی ہوتی ہے اور اس مدت کی تکمیل کے بعد اس چیز کو حکومت کے حوالے کیا جاتا ہے اور اس کی فقہی تکییف یہ ہے کہ اس لین دین میں حکومت کی طرف سے استصناع ہوتا ہے اور اس کام کا ثمن اسی چیز کا منفعت ہوتا ہے جس کی مدت پر دونوں متفق ہوتے ہیں۔"

خلاصہ

بناؤ، چلاؤ اور منتقل کرو معاہدے کی مثال یہ ہے کہ مثلاً حکومت ایک کمپنی سے ہائی وے کی تعمیر کرنے کا معاہدہ کرے اور اجرت اس سے حاصل ہونے والا ٹول ٹیکس رکھے جس کی حد متعین ہو مثلا دس سال ہو یا کوئی بھی متعین حد ہو۔ بناؤ، چلاؤ اور منتقل کرو معاہدے کو فقہاء نے بیع استصناع میں شامل کیا ہے اور اسے جائز کہا ہے۔ اس معاہدے میں صانع کو اس کی اجرت مبیع کی منفعت کی صورت میں بھی مل سکتی ہے۔ مبیع کی منفعت میں جہالت نہیں ہے پس غرر یعنی نقصان کا کوئی شبہ نہیں۔ بی ،او،ٹی (B.O.T)معاہدہ شرعاً جائز ہے، دراصل اس میں صانع کو اجرت اس کی بنائی ہوئی چیز سے منفعت کی صورت میں ملتی ہے اور اس کی گنجائش معلوم ہوتی ہے۔

فصل دوم

بیع استصناع میں انتظام خطرہ کی حقیقت اور فقہاء کی آراء

بیع استصناع میں انتظام خطرہ کی ممکنہ صورتوں کا جائزہ لینے سے پہلے یہ ضروری ہے کہ موجودہ زمانے میں عموما انتظام خطرہ کی جو مختلف صورتیں رائج ہیں ان کا تعارفی مطالعہ ضروری ہے اور اس کے ساتھ یہ بھی ضروری ہے کہ شرعی حوالے سے اس کا بنیادی تصور کیا ہے؟ اور اس کی ممکنہ صورتیں فقہا کے ہاں کون کون سی ہیں آج کے جدید قسم کے عقد استصناع میں منطبق ہو سکتی ہیں۔ چونکہ جدید اسلامی معیشت میں تکافل رسک(Risk) مینجمنٹ کا ایک طریقہ ہے، اس لئے یہ ضروری ہے کہ ہم رسک کی تعریف اور اس کے امکانات کو شریعت کی نظر سے دیکھ لیں۔ انشورنس یا تکافل کے ذریعے خطرات کو ختم یا کم سے کم کیا جاتا ہے، جسے Risk Management یعنی "خطرہ کی تدبیر کرنا" کہتے ہیں۔

رسک کی تعریف

جس رسک کو مینج کیا جاتا ہے، وہ کیا چیز ہے؟ اس کی تعریف درج ذیل الفاظ میں کی گئی ہے:

"Risks are uncertain events, which cause some material/significant change/impact in the financial loss."[1]

ترجمہ: یعنی رسک ان غیر معلوم واقعات کو کہتے ہیں، جو مستقبل میں مالی اثرات اور نقصانات میں معتد بہ (Significant) اثر ڈال سکتا ہے۔

رسک کے دو پہلو

ایک جذباتی (Emotional Risk) اور دوسرا مالی (Financial Risk) اس مقالے میں صرف مالی پہلو کو مد نظر رکھا گیا ہے، جذباتی رسک سے یہاں بحث نہیں کی جائے گی۔ اور نہ ہی وہ یہاں مقصود ہے۔

مالی رسک کی چند مثالیں مثلا:

(1) میں نے شیئرز خریدے، اب مستقبل میں کئی قسم کے غیر معلوم واقعات یا حالات پیش آسکتے ہیں،

---

[1] ڈاکٹر مولانا عصمت اللہ صاحب، **تکافل کی شرعی حیثیت**، (ادارۃ المعارف کراچی، اگست 2010ء) 1/56

جیسے کہ شیئر کی قیمت میں اضافہ ہو، یا شیئر کی قیمت بحال رہے یا شیئر کی قیمت کم ہو جائے وغیرہ۔ پہلی صورت میں مجھے نفع ہو گا، دوسری صورت میں مجھے نفع ہو گا نہ نقصان، اور تیسری صورت میں مجھے نقصان ہو گا۔ لہذا معلوم ہوا کہ مذکورہ معاملہ میں مالی یا معاشی خطرہ موجود ہے۔

خطرات کی قسمیں

رسک کی دو مشہور قسمیں ہیں:

(1) تخمینی خطرات (Speculative Risks)

اس سے مراد وہ رسک ہیں، جن میں نفع و نقصان دونوں کا احتمال ہوتا ہے، جیسا کہ مذکورہ بالا مثالوں میں بزنس اور کاروبار سے متعلق تمام سرگرمیوں میں اس قسم کے رسک پائے جاتے ہیں، اسی وجہ سے کہا جاتا ہے:

"Business is a bundle of speculative risks"[1]

ترجمہ: کاروبار تخمینی خطرات کا مجموعہ ہے۔

(2) خالص خطرات (Pure Risks)

ان میں نفع کا احتمال نہیں ہوتا، بلکہ یا تو نقصان ہوتا ہے، اور اگر نقصان نہ ہو تو نفع بھی نہیں ہوتا۔ مثلا: آگ، زلزلے، سیلاب وغیرہ۔ انشورنس کا تعلق اسی دوسری قسم سے ہے، یعنی اس میں خالص خطرات کو انشور کیا جاتا ہے، جیسا کہ کہا گیا ہے:

Pure Risk is the only kind that can be insured. The purpose of insurance is to compensate for financial loss, not to provide an opportunity for financial gain.[2]

ترجمہ: خالص خطرہ وہ قسم ہے جس کا بیمہ کیا جاسکتا ہے۔ انشورنس کا مقصد معاشی نقصان کے لئے معاوضہ دینا ہے، نہ کہ معاشی نفع حاصل کرنے کے لئے کوئی موقع فراہم کرتا ہے۔

A risk is any uncertain event or condition that might affect your project.[1]

---

[1] عصمت اللہ، تکافل کی شرعی حیثیت، 58

[2] https://www.loma.org/en/professional-development/designations/almi/ 12;00PM,01/06/2022

ترجمہ: خطرہ ہر اس غیر متوقع واقعہ یا حالت کو کہتے ہیں جو آپ کے پراجکٹ کو متاثر کرے۔

رسک مینجمنٹ اور اس کا طریقہ کار (Risk Management and Techniques)

خطرات کو ختم یا کم کرنے کو (Risk Management) کہتے ہیں ، جس کے کچھ طریقے (Techniques) ہیں، جن کو یہاں اختصار کے ساتھ بیان کیا جاتا ہے:

1) اجتنابی طریقہ (Avoiding Risk)

اس میں یہ ہوتا ہے کہ ہم ان سرگرمیوں میں ملوث ہی نہ ہوں جن میں کوئی خطرہ ہو، مثلا جہاز میں سفر نہ کریں، روڈ حادثہ سے بچنے کے لئے بس وغیرہ میں سفر نہ کریں۔ اسٹاک مارکیٹ کے نقصان سے بچنے کے لئے شیئر زنہ خریدیں وغیرہ، لیکن عملا یہ طریقہ اختیار نہیں کیا جاتا، جیسا کہ ظاہر ہے۔

2) انضباطی طریقہ (Controlling Risk)

اس میں ایسے اقدامات کئے جاتے ہیں کہ جن سے نقصان کا خطرہ ختم ہو یا کم ہوں مثلا کارخانہ اور فیکٹری میں سگریٹ نوشی پر پابندی لگائی جائے تاکہ آگ نہ لگے، گھر، جائداد یا کاروبار دریا سے دور لگایا جائے، تاکہ سیلاب سے حفاظت ہو، وغیرہ۔

3) تقبلی طریقہ (Accepting Risk)

اس میں لوگ مالی ذمہ داریاں جزوی یا کلی طور پر خود اپنے ذمہ لیتے ہیں، مثلا اپنے ملازمین کے لئے انشورنس پالیسی نہیں خریدتے، بلکہ ان کے طبی اخراجات وغیرہ خود اپنی ہی آمدنی سے پورے کرتے ہیں۔

4) انتقالی طریقہ (Transferring Risk)

یہ رسک مینجمنٹ کا چوتھا طریقہ ہے، اس میں رسک کی دوسری پارٹی یا کسی کو تکافل کی شرعی حیثیت منتقل کیا جاتا ہے، اب مالی ذمہ داری خود سے تیسری پارٹی کی طرف منتقل ہو جاتی ہے، عام طور پر یہ انتقال مالی معاوضہ کے بدلہ میں کیا جاتا ہے یعنی جو ادارہ یا پارٹی یا شخص مالی ذمہ داری قبول کرتا ہے، وہ اس کے بدلہ میں مالی معاوضہ لیتا ہے۔ عام طور پر یہ ذمہ داری انشورنس کمپنی قبول کرتی ہے، لہذا معلوم ہوا کہ انشورنس

---

[1] Adrienne Watt, **Project Management 2nd Edition** (BCcampus ,2014)1/176

کے ذمہ داری رسک کو کمپنی کی طرف کی مالی معاوضہ کے بدلہ میں منتقل کیا جاتا ہے۔ اس میں ذمہ داری صرف کمپنی کی ہوتی ہے، پالیسی ہولڈرز کی ذمہ داری نہیں ہوتی کہ وہ ایک دوسرے کے نقصان کی تلافی کریں، یا ایک دوسرے کے ساتھ تعاون کریں۔ اس میں پالیسی ہولڈر رسک کوئی نہیں کرتے۔[1]

5) اشتراکی طریقہ (Risk Sharing)

اس طریقے میں تمام شرکاء رسک کو آپس میں تقسیم کرتے ہیں ہمارے معاشرے میں اس کی بہت سی صورتیں ہیں مثلاً مشترکہ خاندانی نظام ہے جو ائنٹ فیملی سسٹم کہتے ہیں، یا جیسا کہ آپریٹیو سوسائٹیز ہیں، ان طریقوں سے بھی ارکان / ممبرز رسک اور مالی خطرات کو آپس میں تقسیم کرتے ہیں اور ایک دوسرے کے ساتھ تعاون کے اصول کے مطابق مدد کرتے ہیں، اور ایک دوسرے کو مالی اثرات سے محفوظ رکھنے کی کوشش کرتے ہیں۔[2]

رسک شریعت کی نظر میں

رسک مینجمنٹ اور مالی اثرات وخطرات کو ختم یا کم کرنے کو شریعت نے بھی تسلیم کیا ہے، اور اس کو اہمیت دی ہے، بشرطیکہ جائز طریقہ کار کے مطابق رسک مینج کیا جائے۔ اس لئے رسک مینجمنٹ کا تصور انسانوں کیلئے کوئی نیا تصور ہیں، بلکہ صدیوں پرانا ہے اور ہر زمانہ میں رسک کو منع کیا گیا ہے، چنانچہ اسلام میں بھی رسک میت کی مثالیں پائی جاتی ہیں۔ جس سے صاف طور پر معلوم ہوتا ہے کہ رسک منیجمنٹ کا طریقہ کوئی نئی ایسا نہیں، لہذا اگر جائز طریقہ سے رسک کو مینج کیا جائے تو یہ اسلام کے خلاف نہیں۔[3]

رسک منیجمنٹ کی چند مشہور مثالیں ذیل میں ملاحظ فرمائیں:

1۔ ضمان خطر الطریق　　2۔ ضمان الدرک　　3۔ عقد موالات

ضمان خطر الطریق

اس کی صورت یہ ہے کہ ایک شخص دوسرے شخص سے کہتا ہے کہ اس راستے پر چلو، یہ محفوظ ہے اور اگر تمہارا مال چھین لیا گیا تو میں ضامن ہوں، چنانچہ وہ شخص اس کی ضمانت کی بنیاد پر اس راستہ پر چلا لیکن آگے

---

[1] محمد ایوب، اسلامی مالیات، اسلامی بینکاری اصول اور تطبیق، ص:359

[2] عصمت اللہ، تکافل کی شرعی حیثیت 1/58

[3] ایضا 1/344

جا کر اس کو ڈاکوؤں نے لوٹا، اور مال چھین لیا تو شخص شر عاضامن ہو گا۔ اس میں تاجر نے رسک کو ٹرانسفر کر دیا، جس کو شریعت نے قبول کیا لیکن یہ بات یادر ہے کہ یہ ٹرانسفرنگ مفت (Free) ہے، اس میں عوض کا تصور نہیں ہے، لہذا اس سے مروجہ انشورنس کے جواز پر استدلال نہیں کیا جاسکتا۔[1]

ضمان الدرک

ضمان الدرک"کی صورت کتب فقہ میں یہ ہے کہ ایک شخص ڈر رہا ہے کہ میں جو غلام خرید رہا ہوں کہیں یہ آزاد شخص نہ ہو تو دوسرا شخص اس کو اطمینان دلاتا ہے کہ تم اس کو خرید لو اور اگر یہ آزاد نکلا تو میں ذمہ دار ہوں، بعد میں وہ واقعی آزاد شخص نکلا، تو گارنٹی دینے والا ذمہ دار ہو گا۔ البتہ اس میں اس کو اختیار ہے کہ اصل بائع سے اپنا پیسہ واپس لے لے یا ضامن سے۔ یہاں بھی رسک ٹرانسفر ہو گیا۔[2]

عاقلہ

اگر کوئی شخص قتل کرے اور اس کی وجہ سے قاتل پر دیت واجب ہو جائے تو یہ دیت بعض صورتوں میں خود قاتل ادا نہیں کر سکتا بلکہ اس کی برادری ادا کرتی ہے، اس کو عاقلہ کہتے ہیں۔

عاقلہ کا ثبوت

عاقلہ کا تصور خود احادیث سے ثابت ہے، چنانچہ صحیح بخاری میں ہے:

((عن ابي هريرة، قال:" اقتتلت امراتان من هذيل فرمت إحداهما الاخرى بحجر فقتلتها، فاختصموا إلى رسول الله صلى الله عليه وسلم، فقضى رسول الله صلى الله عليه وسلم دية جنينها غرة عبد او وليدة وقضى بدية المراة على عاقلتها))[3]

ترجمہ:"ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ قبیلہ ہذیل کی دو عورتوں میں جھگڑا ہوا، ان میں سے ایک نے دوسری کو پتھر پھینک کر مارا تو اسے قتل ہی کر ڈالا، تو لوگ مقدمہ لے کر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس پہنچے تو آپ نے فیصلہ کیا کہ جنین کی دیت ایک غلام یا لونڈی ہے، اور عورت کی دیت کا فیصلہ کیا کہ یہ اس کے عاقلہ پر ہو گی "

اس میں رسک شیئرنگ ہے کہ ضمان یا دیت کو برادری کے لوگوں نے برداشت کیا اور یہی سہولت برادری کے ہر فرد کو حاصل ہے، لہذا یہ رسک شیئرنگ کی نظیر ہے۔

---

[1] ابن عابدین، **ردالمحتار، 5/291**

[2] ایضا، 19/204

[3] بخاری، **صحیح بخاری**، کتاب الطب، باب الکہانۃ، ح5758 مزید ابوداؤد، **سنن ابی داود**، کتاب الدیات، باب دیۃ الجنین، ح4576

عقد موالات

عقد موالات کی صورت یہ ہوتی ہے کہ ایک شخص کسی کے ہاتھ پر اسلام قبول کرتا ہے، پھر اس شخص یا کسی تیسرے شخص کے ساتھ یہ عقد کرتا ہے کہ میرے مرنے کے بعد میراث تمہاری ہوگی، اور اگر میں نے زندگی میں کوئی جرم کیا تو اس کا ضمان تم ادا کروگے، چنانچہ اس عقد کا اسلام نے اعتبار کیا ہے، اور اس کے مطابق عمل کرنا واجب ہے۔ یہ باہمی تعاون و تناصر کی واضح مثال ہے۔ ان نظائر شرعیہ سے یہ بات بالکل واضح طور پر ثابت ہوگئی کہ اسلام نے رسک ٹرانسفرنگ یا شیئرنگ کو قبول کیا ہے، اور یہ کوئی نئی بات یا نیا یا نہیں۔

عقد موالات کا ثبوت

اس سے عَقدِ مُوَالات مراد ہے اس کی صورت یہ ہے کہ ایسا شخص جس کا نسب مجہول ہو وہ دوسرے سے یہ کہے کہ تو میرا مولیٰ ہے میں مر جاؤں تو تو میرا وارث ہوگا اور میں کوئی جرم کروں تو تجھے دِیَت دینی ہوگی۔ دوسرا کہے: میں نے قبول کیا۔ اِس صورت میں یہ عقد صحیح ہو جاتا ہے اور قبول کرنے والا وارث بن جاتا ہے اور دِیَت بھی اُس پر آجاتی ہے اور دوسرا بھی اِسی کی طرح سے مجہولُ النَّسب ہو اور ایسا ہی کہے اور یہ بھی قبول کرلے تو اُن میں سے ہر ایک دوسرے کا وارث اور اُس کی دِیَت کا ذمہ دار ہوگا۔ یہ عقد قرآن پاک سے ثابت ہے اور صحابہ کرام رَضِیَ اللہُ تَعَالٰی عَنْہُم اِس کے قائل ہیں[1]۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے کہ:

{ وَالَّذِينَ عَقَدَتْ أَيْمَانُكُمْ}[2]

ترجمہ: "اور جن سے تمہارا معاہدہ ہو چکا ہے۔"

انتظام خطرہ کی صورتوں کا استصناع کی صورتوں میں انطباق

موجودہ زمانے میں استصناع کے عقود میں انتظام خطرہ کی سب سے بہترین صورت عقد کفالہ ہے۔ پاکستان میں کفالہ کے لیے جو ماڈل رائج ہے وہ وقف کی بنیاد پر ہے۔ چونکہ اہل علم کے ہاں موجودہ کفالہ کی تکییف فقہی بھی اسی سے کی ہے۔ جس میں ایک وقف پول بنایا جائے گا۔ یہ پول اس نقصان کو پورا کرے اور جو

---

[1] ابوالبرکات، عبداللہ ابواحمد بن محمود، مدارک التنزیل وحقائق التاویل، (دارالکلم الطیب، بیروت الطبعۃ الاولی، -1998ء؛1419ھ)- النساء، تحت الآیۃ:33، ص:225

[2] النساء:33

عطیات (Donations) اس میں آرہے ہیں، و محض (Pure) تبرعات (Donations) ہوں، وہ کسی شرط کے ساتھ مشروط (Conditional) نہ ہوں، اور شرکاء کی ملکیت سے بھی خارج ہوں، تاکہ ان پر نہ زکوۃ واجب ہو اور نہ ان میں میراث کے احکام جاری ہوں، اور نہ اس کی بنیاد پر لوگ قدرزائد (سرپلس) کے مستحق ہوں، بلکہ مکمل طور پر پول کی ملکیت میں چلے جائیں اور پول ان میں حب قواعد مقررہ (Defined Rules) تصرف کرے، اس صورت میں چندہ دہندگان اور پول کے درمیان ایسا کوئی تعلق (Relationship) نہ ہوگا، جس کی وجہ سے یہ لوگ معاوضوں کے مستحق (Eligible) ہوں، بلکہ یہ لوگ چندے اور عطیات دیتے ہیں، جن کا معاوضہ سے کوئی تعلق نہیں ہوگا، اور غیر مشروط ہوگا۔ پھر جب ان کو نقصان پہنچے اور پول ان کے نقصان کی تلافی کرے تو وہ ایک مستقل (Separate) عطیہ ہے جسے عطاء مستقل کہتے ہیں، وہ کسی سابقہ عقد کا نتیجہ نہیں ہے۔ چونکہ پول کو اپنی ملکیت میں ہر قسم کے تصرف کا اختیار حاصل ہے، لہذا اس کو یہ بھی اختیار حاصل ہوگا کہ وہ فائض (Surplus) میں سے شرکا کو بھی کچھ حصہ دیدے۔ استصناع پر مبنی مالکاری میں بینکوں کو مندرجہ ذیل خطرات درپیش ہوسکتے ہیں۔

تصفیے کا خطرہ

اصولی طور پر، تصفیے کا خطرہ صرف اتنا ہی موقع ہوتا ہے کہ خریدار یا فروخت کنندہ اپنے معاہدے کو ختم کرنے میں ناکام ہوجاتا ہے۔ جب بھی کوئی آن لائن سامان خریدتا ہے تو، اس بات کا خطرہ ہوتا ہے کہ سامان دیر سے ظاہر ہوگا یا کبھی نہیں پہنچے گا۔ یہ خطرہ سیکیورٹیز مارکیٹوں میں تصفیہ خطرے سے بہت ملتا جلتا ہے۔[1] ایک "ایماندار دلال" کا خیال جس پر اعتماد کیا جاسکتا ہے اس بات کا یقین کرنے کے لئے کہ فریقین معاہدے کو برقرار رکھیں گے تصفیہ خطرے کو کم کرنے کے لئے بروکرز فرموں اور انفرادی دلالوں کو بزنس میں رہنے کے لئے اپنی ساکھ کو ایماندار بروکرز کی حیثیت سے برقرار رکھنا چاہئے۔ جب زیادہ تر سرمایہ کار سیکیورٹیز خریدتے اور بیچتے ہیں تو، وہ واقعی ایک دوسرے کے بجائے اپنے دلالوں کے ساتھ معاملہ کررہے ہیں۔ آبادکاری کے خطرے کو دلالوں کی سالوینسی، تکنیکی مہارتوں اور معاشی مراعات سے کم کیا جاتا ہے۔ ایماندار، مجاز اور مالی طور پر بہتر ہم منصبوں سے نمٹنے کے ذریعے تصفیے کے خطرے کو کم کیا جاسکتا ہے۔ حیرت کی بات یہ نہیں ہے کہ سیکیورٹیز مارکیٹوں میں تصفیہ کا خطرہ عام طور پر قریب ہی رہتا

[1] محمد ایوب، **اسلامی مالیات** (اسلامی بینکاری اصول اور تطبیق)، ص:358

ہے۔ تاہم، عالمی معاشی دباؤ کے اوقات میں تصفیہ خطرے کا تصور بلند کیا جاسکتا ہے۔ ستمبر 2008 میں لہمن برادران[1] کے خاتمے کی مثال پر غور کریں۔ یہ تشویش لاحق ہے کہ جو لوگ لہمن کے ساتھ کاروبار کر رہے ہیں وہ سیکیورٹیز یا نقد رقم سے متفق نہیں ہوں گے۔[2]

تصفیے کے خطرے کی اقسام

تصفیہ کے خطرے کی دو اہم اقسام طے شدہ خطرہ اور تصفیے کے وقت کے خطرات ہیں۔

پہلے سے موجود خطرہ

طے شدہ خطرہ اس بات کا امکان ہے کہ فریقین میں سے ایک معاہدہ کو مکمل طور پر فراہم کرنے میں ناکام ہو جاتی ہے۔ یہ صورتحال اسی طرح کی ہوتی ہے کہ جب آن لائن فروخت کنندہ رقم وصول کرنے کے بعد سامان بھیجنے میں ناکام ہو جاتا ہے۔ ڈیفالٹ بدترین ممکنہ نتیجہ ہوتا ہے، لہذا جب یہ فرمیں دیوالیہ ہو جاتی ہیں تو واقعی مالی منڈیوں میں صرف خطرہ ہوتا ہے۔ اس کے باوجود، امریکی سرمایہ کاروں کے پاس اب بھی سیکیورٹیز انویسٹر پروٹیکشن کارپوریشن (SIPC) انشورنس ہے۔

تصفیے کے وقت کے خطرات

تصفیے کے وقت کے خطرات میں ممکنہ حالات شامل ہیں جہاں سیکیورٹیز کا تبادلہ بطور اتفاق رائے ہوتا ہے، لیکن متفقہ وقتی فریم میں نہیں۔ تصفیے کے وقت کے خطرات عام طور پر پہلے سے طے شدہ خطرے سے کہیں زیادہ سنجیدہ ہوتے ہیں، کیوں کہ لین دین اب بھی ہوتا ہے۔ یہ خطرات روزمرہ کی صورتحال کے برابر سیکیورٹیز مارکیٹ کے برابر ہیں جہاں ایمیزون کا پیزا یا پیکیج دیر سے ظاہر ہوتا ہے۔ تاہم، مالیاتی منڈیوں کی رفتار اور لیکویڈیٹی نتائج کو بہت زیادہ سنگین بنا دیتی ہے

تصفیے کے خطرے کو بعض اوقات "ہرسٹٹ رسک" کہا جاتا ہے، جسے جرمن بینک ہرسٹٹ کی معروف ناکامی کے نام پر رکھا گیا ہے۔ 26 جون 1974 کو، بینک نے غیر ملکی کرنسی کی رسیدیں یورپ میں لے لی تھیں لیکن اس نے امریکی ڈالر کی کوئی ادائیگی نہیں کی تھی۔ جب جرمنی کے بینکاری ریگولیٹرز نے بینک کو بند

---

[1] **برادرز ہولڈنگز انکارپوریٹڈ** (این وائی ایس ای کے سابق ٹکر کی علامت لہ) /liːmən/ ایک عالمی مالیاتی خدمات کی فرم تھی. 2008 میں دیوالیہ پن کا اندراج کرنے سے پہلے، لہمن ریاستہائے متحدہ میں چوتھا سب سے بڑا سرمایہ کاری بینک تھا۔

https://ur.**templeprotestant.org**/settlementris 16/07/2022 6:58 Pm[2]

کر دیا تو اس پروگرام نے کافی نقصان اٹھایا۔

ہرسٹٹ کے خاتمے کے معاملے کے نتیجے میں بینکل نگران پر باسل کمیٹی تشکیل دی گئی، جس میں گروپ آف ٹین (جی 10) ممالک میں دونوں مرکزی بینکوں کے نمائندوں اور ریگولیٹری حکام پر مشتمل تھا۔ باسل کمیٹی کا صدر دفتر اب سوئٹزرلینڈ کے شہر باسل میں واقع بین الاقوامی تصفیہ (بی آئی ایس) کے اندر ہے۔عام طور پر یہ سمجھا جاتا ہے کہ کمیٹی اور اس سے آگے کے ممالک میں بینک کیپٹل ضروریات کی بنیاد تشکیل دیتے ہیں۔[1]

غیر ملکی زرمبادلہ (غیر ملکی کرنسی) مارکیٹ میں تصفیے کا خطرہ تاریخی طور پر ایک مسئلہ رہا ہے۔ مسلسل منسلک تصفیہ (سی ایل ایس) کے قیام سے اس صورتحال کو بہتر بنانے میں مدد ملی۔ سی ایل ایس، سی ایل ایس بینک انٹرنیشنل کے ذریعہ سہولت فراہم کردہ، تصفیہ میں وقت کے اختلافات کو ختم کرتا ہے اور ایسا سمجھا جاتا ہے کہ اس نے غیر محفوظ فاریکس مارکیٹ فراہم کی ہے۔

قیمت کا خطرہ

قیمت کا خطرہ متعدد عوامل کی وجہ سے، بازار میں مندی کو چھوڑ کر سیکیورٹی یا سرمایہ کاری کے پورٹ فولیو کی قدر میں کمی کا خطرہ ہے۔ سرمایہ کار نسبتا قدامت پسند فیصلوں (مثلا، خرید کے اختیارات) سے لے کر زیادہ جارحانہ حکمت عملی (جیسے مختصر فروخت) تک، قیمتوں کے خطرہ کو روکنے کے لئے بہت سارے اوزار اور تکنیک استعمال کرسکتے ہیں۔ قیمت کا خطرہ یہ خطرہ ہے کہ سیکیورٹی یا سرمایہ کاری کی قیمت کم ہوجائے گی۔ قیمتوں کے خطرے کو متاثر کرنے والے عوامل میں کمائی میں اتار چڑھاؤ، ناقص کاروبار کا انتظام اور قیمت میں بدلاؤ شامل ہیں۔

تنوع قیمت کا خطرہ کم کرنے کے لئے سب سے عام اور موثر آلہ ہے۔مالیاتی اوزار، جیسے اختیارات اور مختصر فروخت، قیمت کے خطرے سے بچنے کے لئے بھی استعمال ہوسکتے ہیں۔

قیمت کا خطرہ متعدد عوامل پر منحصر ہے، جن میں تیل، سونے اور چاندی کی منڈیوں جیسی کچھ اجناس کی صنعتوں میں اعلی اتار چڑھاؤ اور قیمت کا زیادہ خطرہ بھی ہے۔ سیاست اور جنگ جیسے متعدد عالمی عوامل کی وجہ سے ان صنعتوں کا خام مال قیمتوں کے اتار چڑھاو کا شکار ہے۔ اجناس کو قیمتوں کا خطرہ بھی بہت زیادہ نظر آتا

[1] محمد ایوب، اسلامی مالیات، اسلامی بینکاری اصول اور تطبیق، 1/388

ہے کیونکہ وہ فیوچر مارکیٹ میں تجارت کرتے ہیں جو اعلی درجے کی بیعانہ پیش کرتے ہیں۔
قیمت کو کم سے کم دیگر قسم کے خطرے کے برعکس، قیمت کے خطرے کو کم کیا جاسکتا ہے۔ تخفیف کرنے کی سب سے عام تکنیک ہے تنوع۔ مثال کے طور پر، ایک سرمایہ کار دو مسابقتی ریستوراں کی زنجیروں میں اسٹاک کا مالک ہے۔ ون چین کے اسٹاک کی قیمت کھانے سے پیدا ہونے والی بیماری کے پھیلنے کی وجہ سے گر جاتی ہے۔ نتیجے کے طور پر، مدمقابل کو کاروبار میں اضافے اور اس کی قیمت کی قیمت کا احساس ہوتا ہے۔
ایک اسٹاک کی مارکیٹ قیمت میں کمی کا معاوضہ دوسرے کے اسٹاک کی قیمت میں اضافے سے ہوتا ہے۔
خطرے کو کم کرنے کے لئے، ایک سرمایہ کار مختلف کمپنیوں کے اسٹاک کو مختلف صنعتوں میں یا مختلف جغرافیائی مقامات پر خرید سکتا ہے۔[1]

حوالگی کا خطرہ

مبیع تیار کرنے کے بعد حوالگی کا مسئلہ درپیش ہوتا ہے۔ آیا بائع اس کو مشتری کے حوالہ کرے گا یا نہیں کیونکہ بعض دفعہ بائع مبیع حوالہ نہیں کرتا۔

قبضے کا خطرہ

مبیع کی تیاری کے بعد مشتری کو حوالہ کرنے سے قبل مبیع پر کسی اور کے قبضے کا خطرہ بھی درپیش ہوسکتا ہے۔

منڈی کا خطرہ

لین دین مکمل ہونے کے بعد اس بات کا بھی خطرہ رہتا ہے کہ کہیں میٹیریل مہنگا نہ ہوجائے جس میں بائع کو نقصان اٹھانا پڑتا ہے۔ چونکہ عقد تام ہونے کے بعد مبیع کو تیار کرنے کیلیے میٹیریل خریدنا بائع کی ذمہ داری ہوتی ہے اس لئے بائع اس بات کا پابند ہوتا ہے کہ وہ میٹیریل اپنے سرمایہ سے خریدے اور مبیع کو عقد کے مطابق تیار کرے۔ مثلا ایک پل کی تعمیر بیع استصناع کے عقد پر طے ہوا جس کا ثمن دس کروڑ روپے مقرر ہوا اور اس پر متعاقدین کا اتفاق ہوا بعد اذاں میٹیریل مہنگا ہوا اور پل پر دس کروڑ سے زائد لاگت آجائے تو اس میں بائع بنانے والے کو فائدہ کی بجائے نقصان اٹھانا پڑا۔

استصناع کے خطرات کم کرنے کیلئے مناسب طریقوں کا استعمال

---

[1] https://ur.**templeprotestant.org**/settlementrisk-5:30PM,15/07/2022

مجموعی طور پر خطرات پر استصناع کے خطرات کم کرنے کیلئےٍ مندرجہ ذیل طریقے استعمال کئے جاتے ہیں۔
مناسب ضمانت، کارکردگی بانڈ، بروقت اور مؤثر مارکیٹنگ اور لاگت کم کرنے کے لیے متعلقہ شعبوں میں تکنیکی مہارت، تکافل کی موزوں پالیسیاں، اچھے کلائنٹس کا انتخاب، موزوں بجٹ سازی اور انتظام سیالیت کی پالیسیاں البعض خطرات اور انہیں کم کرنے کیلئے چند اقدامات مندرجہ ذیل ہیں؛
چونکہ عمل استصناع کا استعمال زیاد نہیں ہوا ہے اس لیے ہم بعض فرضی کیس اسٹڈیز بھی دیں گے ۔استصناع میں خطرہ کم کرنے کے طریقے سامان کی ملکیت
اسلامی بینک اس سامان کا مالک نہیں جو مطلوبہ اثاثے کی تیاری کی خاطر تیار کنندہ کے پاس ہے۔وہ سامان بینک کے پاس ضمانت ہے جسے فروخت کرکے دی گئی رقم حاصل کی جاسکتی ہے۔ عدم کارکردگی کی صورت میں بینک اس سامان کا دعویدا نہیں ہو سکتا۔[1]

حوالگی کا مسئلہ

ہو سکتا ہے کہ متوازی استصناع میں سب کنٹریکٹ کی جانب سے سامان کی دیر سے فراہمی کی بنا پر بینک وقت پر اثاثہ فراہم نہ کر سکے۔
شرط جزائی کی بنیاد پر بینک استصناع کے معاہدے میں تاخیر کی صورت میں قیمت کم کرنے کی شق رکھ سکتا ہے۔

قبضہ لینے سے پہلے بیع کا جائز نہ ہونا

طبعی قبضہ لینے سے پہلے استصناع کے سامان کی فروخت کی اجازت نہیں۔اس سے اثاثہ، قیمت اور مارکیٹنگ سے متعلق خطرات پیدا ہو سکتے ہیں۔ بینک کسی تیسرے فریق سے خریدنے کا وندنے سکتا ہے اور وکالہ کے ذریعے فروخت کا بندوبست سلام کر سکتا۔

خطرہ معیار

کمتر معیار کا تیار شدہ سامان اسلامی بینک کے حوالے کیا جاتا ہے جو اصل عقد کو متاثر کرتا ہے۔ بینک تیار کنندہ / سپلائر سے معیار کی ضمانت حاصل کر سکتا ہے۔[2]

---

[1] https://ur.templeprotestant.org/settlementrisk12:00PM-15/07/2022

[2] محمد ایوب، **اسلامی مالیات**،359

خلاصہ

استصناع میں خطرہ کم کرنے کیلئے تکافل کا طریقہ کار استعمال میں لایا جاسکتا ہے۔استصناع کے خطرے کو کم کرنے کیلئے معاہدے کے ضمن میں تکافل کا معاہدہ کیا جاسکتا ہے۔ خطرات کو ختم یا کم کرنے کو (Risk Management)کہتے ہیں۔رسک منیجمنٹ کے طریقے : اجتنابی طریقہ (Avoiding Risk)انضباطی طریقہ(Controlling Risk)

تقبلی طریقہ(Accepting Risk) انتقالی طریقہ(Transferring Risk) رسک منیجمنٹ کی چند مشہور مثالیں: ضمان خطر الطریق، ضمان الدرک، عقد موالات۔

اگر کوئی شخص قتل کرے اور اس کی وجہ سے قاتل پر دیت واجب ہو جائے تو یہ دیت بعض صورتوں میں خود قاتل ادا نہیں کر سکتا بلکہ اس کی برادری ادا کرتی ہے، اس کو عاقلہ کہتے ہیں۔ تصفیہ کے خطرے کی دو اہم اقسام طے شدہ خطرہ اور تصفیے کے وقت کے خطرات ہیں اور تصفیے کے وقت کے خطرات۔

تصفیے کے وقت کے خطرات:

قیمت کا خطرہ	حوالگی کا خطرہ	منڈی کا خطرہ
	قبضے کا خطرہ	

خلاصہ بحث

زیر تحقیق مقالے میں بیع استصناع کے فقہی اصولوں کو عصری مسائل میں اس کی تطبیق کے حوالے سے بحث کی گئی ہے۔ یعنی قدیم فقہا کے ہاں استصناع کا جو تصور موجود تھا اس کی دور حاضر میں جدید طرز کے معاہدات کے ساتھ ممکنہ تطبیق کیا ہو سکتی ہے۔ اسی طرح یہ بحث کی گئیs ہے کہ تعمیراتی منصوبوں میں اور اسلامی بنکوں میں ہاؤس فائنانسنگ کے رائج معاہدات میں استصناع کے اصول کیسے منطبق ہو سکتے ہیں۔

1. بیع و شراء خرید و فروخت کو کہتے ہیں لفظ بیع اضداد میں سے ہے یعنی بیچنے اور خریدنے دونوں کے معنیٰ میں استعمال ہوتا ہے۔
2. لفظ استصناع کا مطلب کسی سے صنعت کا مطالبہ کرنے کا ہے۔
3. بیع استصناع احناف کے ہاں مستقل بیع ہے اور اس میں سلم کی شرائط کا پایا جانا ضروری نہیں ہے البتہ امام مالکؒ، امام شافعیؒ اور امام مالکؒ کے نزدیک سلم کی شرائب کا پایا جانا ضروری ہے۔
4. بیع استصناع میں مصنوع کی تیاری کیلئے میٹریل کی ذمہ داری صانع پر ہوتی ہے۔
5. بیع استصناع میں عوضین یعنی ثمن اور مصنوع دونوں اُدھار رکھے جاسکتے ہیں ثمن کو پہلے ادا کرنا نیز قسطوں میں ادا کرنا بھی جائز ہے۔
6. بیع استصناع میں مصنوع کی منفعت کو بھی عوض بنایا جاسکتا ہے جب کہ اجارہ میں عین مصنوع کو عوض نہیں بنایا جاسکتا۔
7. اگر مصنوع کی تیاری کیلئے میٹریل مستصنع فراہم کرے تو یہ استصناع نہیں ہوگا بلکہ اجارہ بن جائے گا۔
8. امام ابو حنیفہؒ اور امام محمدؒ کے نزدیک صانع اگرچہ مطلوبہ اوصاف کے عین مطابق مصنوع کو تیار کرے مستصنع کو خیار رویت حاصل ہوگا جیسا کہ باقی بیوعات میں خریدار کو خیار رویت حاصل ہوتا ہے جب کہ امام ابو یوسفؒ کے نزدیک معاہدے کے وقت جن اوصاف کا زکر کیا گیا تھا اس کے مطابق صانع نے تیار کی ہے تو خیار رویت سے صانع کا نقصان ہے پس مستصنع کو خیار رویت حاصل نہیں ہوگا۔
9. مصنوع کی تیاری کا عمل شروع ہونے سے پہلے متعاقدین میں سے ہر ایک کو معاہدہ ختم کرنے کا باالاتفاق خیار حاصل ہوتا ہے
10. بیع استصناع احناف کے نزدیک عاقدین میں سے کسی ایک کی موت کے ساتھ ختم ہو جاتی ہے جب کہ باقی تینوں ائمہ کے نزدیک ختم نہیں ہوتی بلکہ ورثاء کی طرف منتقل ہو جاتی ہے۔
11. بیع استصناع میں صانع اور مستصنع کیلئے اپنا وکیل بنانا درست ہے لیکن وکالۃ کا معاہدہ استصناع کے معاہدے سے الگ ہونا ضروری ہے۔

12. جب عرف عملی کسی دلیل شرعی سے مکمل طور پر امخالف ہو کہ اس سے نص کو ترک کرنالازم ہو تو وہ عرف قابل عمل نہیں ہے
۔

13. BOT بناؤ، چلاؤ اور منتقل کرو؛ بناؤ، چلاؤ اور منتقل کرو معاہدے کی مثال یہ ہے کہ مثلاً حکومت ایک کمپنی سے ہائی وے کی تعمیر کرنے کا معاہدہ کرے اور اجرت اس سے حاصل ہونے والا ٹول ٹیکس رکھے جس کی حد متعین ہو مثلا دس سال ہو یا کوئی بھی متعین حد ہو اور یہ بیع استصناع کی جدید صورت ہے۔

14. اسلامی بینکوں میں، ہاؤس فائنانسنگ، پلانٹ، فیکٹری، یا بلڈنگ کی فائنانسنگ، اپارٹمنٹ کی بلڈنگ کے لئے فنانسنگ، بی، او، ٹی (B.O.T.Agreement) فائنانسنگ میں بیع استصناع کا استعمال ہوتا ہے۔

15. استصناع میں پیشگی رقم ادا کرنے پر صانع اس رقم کا مالک بن جاتا ہے پس اس میں صانع کے لئے تصرف بھی جائز ہے۔

نتائج Findings

اس تحقیق کے اہم نتائج درج ذیل ہیں:

بیع استصناع کا ثبوت اگرچہ نصوص سے ہے۔ لیکن نصوص نے بھی اس کو عرف کی بنیاد پر جائز قرار دیا ہے۔

موجودہ دور میں جدید طرز کے معاہدات میں بیع استصناع کو بھی استعمال کیا جاسکتا ہے۔

جدید طرز کے معاہدات کی نوعیت بیان کرنا ہے

جدید تعمیراتی معاہدات کی تکییف فقہی بیع استصناع سے کرنا بالکل ٹھیک ہے۔ جس کی بنیاد پر فقہا کے بیع استصناع کے قدیم تصور کو موجودہ دور میں بھی قابل عمل بنایا جاسکتا ہے۔

بیع استصناع کے معاہدات میں انتظامِ خطرہ کے لیے اسلامی تکافل کا طریقہ ہی اپنایا جاسکتا ہے۔ روایتی انشورنس کا طریقہ شرعی لحاظ سے قابل عمل نہیں ہے۔

بیع استصناع کا دیگر عقود کے ساتھ تقابلی مطالعہ سے یہ بات واضح ہوتی ہے کہ یہ ایک مستقل اور منفرد عقد ہے۔

دور حاضر میں بڑے بڑے معاہدات بیع استصناع کے ذریعے کیے جاتے ہیں۔

بناؤ، چلاؤ اور منتقل کرو B.O.T معاہدہ بیع استصناع کی جدید صورت ہے۔

سفارشات (Recommendations)

اس مقالہ کی اہم تجاویز و سفارشات درج ذیل ہیں۔

موجودہ دور میں مختلف منصوبوں کو سرانجام دینے کے لیے روایتی عقود سے ہٹ کر شرعی عقود کو اپنایا جانا چاہیے۔

شرعی عقود کو عمل میں لانے کے لیے ضروری ہے کہ اس سے متعلق پارلیمنٹ کے ذریعے قانون سازی ہو۔

جیسا کہ جدید طرز کے معاہدات میں بیع استصناع کو اختیار کرنے سے متعلق واضح قانون سازی ہو۔

اعلیٰ اور ماتحت عدلیہ کی ٹریننگ کا اہتمام کیا جائے تاکہ وہ ان عقود کی نوعیت، حیثیت اور احکام کو سمجھ سکے اور اس کی بنیاد پر ان عقود سے متعلق تنازعات کو صحیح طرح سے حل کر سکے۔

سٹیٹ بنک آف پاکستان کو چاہیے کہ وہ اسلامی بنکوں میں استصناع کے معاہدات کے لیے ایوفی کے معیار کو اہل علم کی

بحث و تمحیص کے بعد اختیار کر کے اپنے سرکولر کے ذریعے نافذ العمل قرار دے۔

بیع استصناع سے متعلق معاہدات میں انتظام خطرہ کے لیے روایتی انشورنس سے ہٹ کر اسلامی اصولوں کے مطابق تکافل کے نظام کو اختیار کیا جانا چاہیے۔

انتظام خطرہ کے لیے اسلامی اصولوں کی بنیاد پر تکافل کے حوالے سے پاکستان میں انشورنس قوانین میں ترمیم کی ازحد ضرورت ہے تاکہ معاہدات میں انتظام خطرہ سے متعلق شق کو اسلامی اصولوں کے مطابق نافذ العمل بنایا جائے اور اس حوالے سے سیکورٹی ایکسچینج کمیشن آف پاکستان کے رولز اور ریگولیشنز سے بھی رہنمائی حاصل کی جا سکتی ہے۔ ان رولز میں اسلامی تکافل کے معاہدات کو ہی زیر بحث لایا گیا ہے۔

بیع استصناع سے متعلق شرعی احکامات کو جدید معاہدات میں نافذ العمل بنانے کے حوالے سے معاہدات کا ایک معیاری اسلوب بنایا جانا چاہیے تاکہ معاہدات کی تسوید میں فریقین کو آسانی ہو اور اس طرح سے معاہدات کی نوعیت بھی استصناع کی ہو گی اور شریعت کے عین مطابق ہو گی۔

ان معاہدات کے معیاری نمونے تیار کرنے کے لیے کسی ادارے کی تشکیل نہایت موزوں ہے۔

فہارس

فہرست آیات قرآنیہ

نمبر شمار	آیات	سورة	آیت نمبر	صفحہ نمبر
.1	وَأَحَلَّ اللَّهُ الْبَيْعَ وَحَرَّمَ الرِّبا	البقرة	275	11
.2	يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا إِذَا تَدَايَنتُمْ بِدَيْنٍ إِلَى أَجَلٍ مُسَمًّى فَاكْتُبُوهُ	البقرة	282	12
.3	يَاأَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لَا تَأْكُلُوا أَمْوَالَكُمْ بَيْنَكُمْ بِالْبَاطِلِ ----	النساء	29	11
.4	فَلْيُقَاتِلْ فِي سَبِيلِ اللَّهِ الَّذِينَ يَشْرُونَ الْحَيَاةَ الدُّنْيَا بِالْآخِرَةِ	النساء	74	10
.5	وَشَرَوْهُ بِثَمَنٍ بَخْسٍ دَرَاهِمَ مَعْدُودَةٍ وَكَانُوا فِيهِ مِنَ الزَّاهِدِينَ	يوسف	20	10
.6	وَاللَّهُ جَعَلَ لَكُمْ مِنْ بُيُوتِكُمْ سَكَنًا	النحل	80	109
.7	قَالُوا يَاذَا الْقَرْنَيْنِ إِنَّ يَأْجُوجَ وَمَأْجُوجَ مُفْسِدُونَ فِي ----	الكهف	94	28
.8	قَالَ مَا مَكَّنِّي فِيهِ رَبِّي خَيْرٌ فَأَعِينُونِي بِقُوَّةٍ أَجْعَلْ بَيْنَكُمْ وَبَيْنَهُمْ رَدْمًا	الكهف	95	28
.9	آتُونِي زُبَرَ الْحَدِيدِ حَتَّى إِذَا سَاوَى بَيْنَ الصَّدَفَيْنِ قَالَ -----	الكهف	96	28
.10	وَاصْطَنَعْتُكَ لِنَفْسِي	طه	41	19
.11	وَعَلَّمْنَاهُ صَنْعَةَ لَبُوسٍ لَكُمْ لِتُحْصِنَكُمْ مِنْ بَأْسِكُمْ	الأنبياء	80	19
.12	وَتَتَّخِذُونَ مَصَانِعَ لَعَلَّكُمْ تَخْلُدُونَ	الشعراء	129	19
.13	صُنْعَ اللَّهِ الَّذِي أَتْقَنَ كُلَّ شَيْءٍ	النمل	88	20
.14	قَالَتْ إِحْدَاهُمَا يَاأَبَتِ اسْتَأْجِرْهُ إِنَّ خَيْرَ مَنِ اسْتَأْجَرْتَ الْقَوِيُّ الْأَمِينُ-	القصص	26	46
.15	قَالَ إِنِّي أُرِيدُ أَنْ أُنْكِحَكَ إِحْدَى ابْنَتَيَّ هَاتَيْنِ عَلَى أَنْ تَأْجُرَنِي ----	القصص	27	46
.16	فَإِنْ أَرْضَعْنَ لَكُمْ فَآتُوهُنَّ أُجُورَهُنَّ	الطلاق	24	46

فہرست احادیث نبوی

نمبر شمار	متن حدیث	کتاب حدیث	صفحہ نمبر
.1	أن مري غلامك النجار يعمل لي أعوادا أجلس ----	صحیح بخاری	31
.2	صنع (اصطنع) النبي ﷺخاتما قال إنا اتخذنا خاتما ونقشنا فيه--	صحیح بخاری	31
.3	اصطنع خاتما من ذهب فكان يجعل فصه في باطن كفه-------	صحیح مسلم	30
.4	لا يحل بيع ما ليس عندك، ولا ربح ما لم يضمن-	جامع الترمذی	70
.5	لايحل سلف وبيع ولاشرطان فی بيع ،ولاربح مالم يضمن-	جامع الترمذی	72
.6	أُعطوا الاجير أجره قبل أن يجف عرقه-	سنن ابن ماجه	47
.7	انَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَعْطَاهُ دِينَارًا يَشْتَرِي لَهُ شَاةً فَاشْتَرَى	سنن ابن ماجه	57
.8	إن أمتي لا تجتمع على ضلالة----------	سنن ابن ماجه	32
.9	نہی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم عن بيع العربان---	موطا الامام مالک	97
.10	فما رأى المسلمون حسنا فهو عند الله حسن وما رأوا سيئا فهو --	مسند احمد	32
.11	اشتری دارالسجن من صفوان بن امية باربعةالآف ----	المصنف ابن ابی شيبة	98
.12	ان النبی ﷺاحل العربان فی البيع ----	المصنف ابن ابی شيبة	98

فہرست مصطلحات

نمبر شمار	اصطلاح	صفحہ
1.	استصناع	19
2.	بائع	11
3.	بیع مؤجل	25
4.	ثمن	1
5.	سلم	14
6.	شرکۃ متناقصہ	116
7.	صانع	19
8.	مبیع	11
9.	مسلم فیہ	47
10.	مشتری	11
11.	مصنوع	25
12.	مُعجل	82

فہرستِ اعلام

نمبر شمار	نام	صفحہ
.1	شامی	19
.2	العکبری	118
.3	ابوحازم	31
.4	سحنون	114
.5	ترمذی	90
.6	زفر	20
.7	زید بن اسلم	97
.8	الشاطبی	29
.9	ابن رشد	141
.10	ابن قدامہ	119
.11	ابن نجیم	36
.12	حطاب	121
.13	سرخسی	93
.14	کاسانی	21
.15	علیش	113

122	ابن سماوۃ	.16
75	مجاہد	.17
75	نافع	.18
52	زحیلی	.19

فہرست مصادر ومراجع

القرآن الکریم

کتب تفاسیر

البغوی، حسین بن مسعود، **تفسیر بغوی / معالم التنزیل**، (دار طوق النجاۃ، الطبعۃ الاولی، 1431ھ)

عثمانی، محمد تقی، **آسان ترجمہ قرآن** (کراچی-ادارۃ المعارف، 2010ء)

کتب احادیث

ابن حبان، محمد بن حبان بن أحمد أبو حاتم التمیمي البستي، **صحیح ابن حبان بترتیب ابن بلبان**، (مؤسسۃ الرسالۃ- بیروت 1993ء)

أبي شیبۃ، عبد اللہ بن محمد بن إبراهیم، **المصنف ابن ابی شیبۃ**، (بیروت، دار الکتب العلمیہ، 1436ھ)

امام مسلم، مسلم بن الحجاج، **صحیح مسلم**، باب تحریم خاتم الذھب علی الرجال ونسخ ماکان من اباحتہ فی اول الاسلام، (مکتبہ شاملہ)

بخاری، محمد بن اسماعیل، **الجامع الصحیح**، (دار طوق النجاۃ، الطبعۃ الاولی، 1422)

ترمذی ابو عیسی محمد بن عیسیٰ، **سنن ترمذی** (بیروت، دار السلام للنشر والتوزیع) 1428ء

الرازی، محمد بن ابی بکر، **مختار الصحاح**، (بیروت، مکتبۃ لبنان ناشرون، طبعۃ جدیدۃ) 1431ھ

عسقلانی، احمد بن علی بن محمد ابن حجر، **فتح الباری فی شرح البخاری**، (بیروت، دار الکتب العلمیہ، 1379ھ)

کتب لغت

ابراھیم مصطفی، أحمد الزیات، حامد عبد القادر، محمد النجار، **المعجم الوسیط**، (القاہرہ- دار الدعوۃ 1421ھ)،

ابن المنظور، جمال الدین الافریقی، **لسان العرب** (بیروت: دار الکتب)

أحمد بن محمد بن علي المقري الفیومی **المصباح المنیر في غریب الشرح الکبیر للرافعي**، بیروت- المکتبۃ العلمیۃ 1425ھ

کتب فقہ

ابن عابدین، الحاکم النیسابوري؛ محمد بن عبد اللہ، **مجموعہ رسائل ابن عابدین**،

ابن عابدین، محمد أمین بن عمر بن عبد العزیز **رد المحتار علی الدر المختار** (بیروت: دار الفکر للطباعۃ والنشر والتوزیع)

ابن قدامہ، عبد الرحمن بن محمد، **الشرح الکبیر علی المقنع** (القاھرۃ: ھجر للطباعۃ والنشر والتوزیع والإعلان، الطبعۃ: الأولی، 1995)

ابن قدامہ، عبد اللہ بن أحمد، المغنی (بیروت: دار الفکر، الطبعۃ الأولی، 1405)

ابن نجیم مصریؒ، **البحر الرائق شرح کنز الدقائق**، باب السلم والاستصناع، بیروت:مکتبۃ لبنان

البلخي، نظام الدين ولجنۃ علماء، **فتاوٰی عالمگیری**،،(بیروت، دار الفکر، طبعۃ ثانیہ)

الجصاص، احمد بن علی الرازی، **احکام القرآن للجصاص**،(بیروت-دار احیاء التراث العربی)

الزحیلی، الدکتور وہبہ، **الفقہ الاسلامی وادلتہ**،(دار الفکر-سوریّۃ-دمشق)

السرخسي، محمد بن أحمد بن أبي سهل شمس الأئمة (المتوفى:483ھ)

الشاطبی، ابراہیم بن موسیٰ اللخمی، **الموافقات للشاطبی**، عقد الاستصناع وصورۃ المعاصرۃ،(ادارۃ الشئون الاسلامیہ)

العثمانی، القاضی محمد تقی، **بحوث فی قضایا فقھیۃ معاصرۃ**،(القطر-ادارۃ النشور الاسلامیہ)

عثمانی، محمد تقی، اصول الافتاء وآدابہ،(کراچی:مکتبہ معارف القرآن)

عثمانی، محمد تقی، **فقہ البیوع**،(کراچی:مکتبہ معارف القرآن)

علاء الدين، أبو بكر بن مسعود بن أحمد الكاساني الحنفي، **بدائع الصنائع**(دار الكتب العلمية)،

علي بن أبي بكر بن عبد الجليل الفرغاني المرغيناني، **الهداية في شرح بداية المبتدي**،(بیروت۔دار احیاء التراث العربي)

القرافي، أحمد بن إدريس، **الفروق أو أنوار البروق في أنواء الفروق** (مع الهوامش)(بیروت:دار الكتب العلمية، الطبعة الثانية،

محمد بن أحمد بن محمد عليش 1217-1299ھ۔**فتح العلي المالك في الفتوى على مذهب الإمام مالك**،(بیروت:دار الفکر، الطبعۃ الاولیٰ،

الھمام، محمد بن عبد الواحد، **فتح القدیر**(بیروت دار الفکر)

اردو کتب

البوطی، ڈاکٹر محمد رمضان، ترجمہ محمد اسلام، **خرید و فروخت کی مروجہ صورتیں اور ان کی شرعی حیثیت**،(شریعہ اکڈمی بین الاقوامی یونیورسٹی)2010ھ

ڈاکٹر مولانا اعجاز احمد صمدانی، **مالی معاملات پر غرر کے اثرات**،(ادارۃ المعارف)،2010

صمدانی، ڈاکٹر محمد اعجاز احمد، **اسلامی بینکاری اور غرر**(ادارۃ اسلامیات-کراچی)2006ء

عثمانی، محمد تقی، **اسلامی بینکاری کی بنیادیں ایک تعارف**، اردو ترجمہ محمد زاھد (مکتبۃ العارفی)2009

عثمانی، محمد تقی، **اسلام اور جدید معیشت و تجارت**،(ادارۃ المعارف)1999ء

عثمانی، محمد تقی، **اسلام اور جدید معاشی مسائل**،(کراچی:ادارہ اسلامیات)2011

محمد ایوب، **اسلامی مالیات، اسلامی بینکاری اصول اور تطبیق**،(رفاہ سینٹر-2010ء)

مفتی، محمد ریاض، **مسائل تجارت** (راولپنڈی، مکتبہ عثمانیہ، طبع اول، 2011ء)

منصوری، محمد طاہر، **احکام بیع**، (ادارۃ تحقیقات اسلامی طبع اوّل 2005ء)

مولانا عبد الرحمٰن کیلانی، **احکام تجارت اور لین دین**، (مکتبہ السلام) 2006ء

انگریزی کتب

Maulana Muhammad Taqi Usmani، **An introduction to Islamic finance**

(Idara Isha'at-e-Diniyat (P) Ltd.)

Dr.Muhammad Imran Asraf Usmani **Meezan banks Guid to Islamic Banking**

(Karachi, Darul-Ishaat, First Edition,2002)

Adrienne Watt, **Project Management 2nd Edition**,

(BCcampus, 2014)